فردوس

میں

غارت گری

ریاست جموں وکشمیر میں سابقہ حکومت کی
سیاسی بداعمالیوں کی
عبرت ناک دستاویزی داستان

مرتبہ

کشمیری ریسرچ اینڈ اسٹڈی گروپ، سری نگر

مکتبہ شاہراہ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

تعداد اشاعت ۳۰۰۰

تاریخ اشاعت ۱۲ر جولائی ۱۹۶۷ء

قیمت چار روپے

مطبوعہ
یونین پرنٹنگ پریس
دہلی

ملک آزاد ہوا تو گمان ہی نہیں، بلکہ یقین تھا کہ ملک کے اور حصوں کی طرح کشمیر کے دن بھی پھریں گے، اور وہاں بھی معاشی ترقی اور اقتصادی ترقی کا دور آئے گا۔ یہ توقع کچھ ایسی بے جا بھی نہیں تھی۔ ہندستان کی مرکزی حکومت نے اسی مقصد کے حصول کے لئے بڑی فراخ دلی سے حکومت جموں وکشمیر کو مالی امداد دی، جس سے کشمیر میں دودھ اور شہد کی نہریں نکل سکتی تھیں لیکن:

اس گھر کو لگ گئی آگ گھر کے چراغ سے

حالات کی سازش نے دولت کے اس دھارے کا رخ کشمیری عوام کی طرف سے پھیر کر کشمیر کے ایک فرد، اس کے خاندان اور متوسلین کی طرف موڑ دیا۔ ایک مشہور غیر ملکی خاتون تایا زنکن نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی تازہ ترین کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے:

"... بخشی غلام محمد سولہ سال تک ۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۳ء، کشمیر جنت نظیر میں برسر اقتدار رہے، اور اس دور میں انھوں نے اپنے چاروں بھائیوں کی امداد و اعانت کی۔ چنانچہ ان کے بھائیوں نے سرکاری ٹھیکوں اور وزیر اعظم سے اپنی قرابت کا فایدہ اٹھا کر اتنی دولت پیدا کی کہ ہندستان بھر میں کشمیر بی، بی سی (B.B.C.) ۔ یعنی بخشی برادرس کارپوریشن کے نام سے مشہور ہو گیا۔"

بخشی غلام محمد سولہ سال تک ــ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۳ء کشمیر جنت نظیر میں مختلف حیثیتوں سے برسر اقتدار ہی نہیں بلکہ جزو سے کل تک کے مالک رہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک ریاست کے اہم محکموں کے وزیر ہونے کے علاوہ نائب وزیر اعظم کا عہدہ بھی ان ہی کے پاس رہا، اور پھر ۱۹؍اگست ۱۹۵۳ء سے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۳ء تک تو ہندستان کی اس جنت ارضی کے وزیر اعظم کے عہدے پر وہ فائز رہے۔

ریاست جموں و کشمیر ہمارے ملک کی اہم ترین سرحدی ریاست ہے، جہاں چار ہمسایہ ملکوں ــ روس و افغانستان کی اور چین و پاکستان کی سرحدیں ہمارے ملک کی سرحدوں سے ملتی ہیں۔ موخرالذکر دونوں ملکوں سے ہمارے تعلقات کی نوعیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، جس کی وضاحت کی ضرورت ہو۔ اسی نے ہمارے سرحدی دفاع کے سلسلے میں ریاست جموں و کشمیر کی اہمیت بہت بڑھا دی ہے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ جو بھی اس ریاست کا سربراہ ہو، اسے ہندستانی عوام کا عموماً اور ہندستان کی مرکزی حکومت کا خصوصاً پورا پورا اعتماد حاصل ہو۔ چناں چہ بخشی صاحب کو اپنے دورِ اقتدار میں ہندستانی عوام اور مرکزی حکومت دونوں کا اعتماد بدرجۂ اتم حاصل رہا۔ اسی نے، بڑی حد تک، انھیں کشمیر کا مطلق العنان حکمراں بنا دیا تھا۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اپنے دورِ اقتدار میں وہ کشمیر کے مختارِ کل ہی نہیں

بلکہ سیاہ وسپید کے مالک رہے۔

سولہ سال برسرِ اقتدار رہنے کے بعد جب بخشی غلام محمد کامراج پلان کے تحت اس جنتِ ارضی کی وزارتِ عظمیٰ سے، ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو مستعفی ہوئے، تو یہ بات زبانِ زدِ خاص وعام تھی کہ انھوں نے نائب وزارت کے دور اور وزارتِ عظمیٰ کے عہد میں، اپنے ان سرکاری منصوبوں سے فایدہ اٹھا کر خود بھی بے اندازہ مالی منفعت حاصل کی ہے، اور اپنے اعزا واقربا اور دوستوں کو بھی دولت کی اس بہتی گنگا سے جی بھر کر سیراب ہونے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ واقف کار لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ۱۹۴۷ء تک تو بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کے مالی وسایل حد درجہ محدود تھے لیکن ۱۹۶۳ء میں جب وہ مستعفی ہوئے تو وہ خود اور ان کے خاندان کے افراد کروڑوں کی مالیت کی منقولہ وغیرہ منقولہ جائے داد کے مالک تھے۔ یہی لوگ حیرت سے سوال کرتے تھے کہ یہ دولت آخر کہاں سے پھٹ پڑی ہے؟ چناں چہ اس سلسلے میں یہ خیال عام تھا کہ بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت ہی نے ان کے لیے، اور ان کے اعزا ومقربین کے لیے حصولِ دولت کی راہیں ہموار کی تھیں

یہ باتیں بخشی غلام محمد کے آہنی دورِ اقتدار میں بھی کہی جاتی تھیں، مگر زیرِ لب۔ لیکن ان کے اقتدار سے سبک دوش ہونے کے بعد ریاست میں جمہوری قدریں جوں جوں بحال ہوئیں، اور لوگوں کا خوف وہراس دور ہوا تو یہی باتیں برملا کہی جانے لگیں، ان کی تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا جانے لگا، اور جلد ہی اس مطالبے نے اس درجہ شدت اختیار کرلی کہ تحقیقاتی کمیشن مقرر

کرنے کے سوا حکومت جموں و کشمیر کے پاس اور کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ ۳۰ر جنوری ۱۹۶۵ء کو جموں و کشمیر تحقیقاتی کمیشن ایکٹ ۱۹۶۲ء کی دفعہ (۳) کے تحت ایک تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا، جو سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج شری ان، راجگوپالا اینگر پر مشتمل تھا۔ آنے والے صفحات اسی کمیشن کی کارروائیوں کے آئینہ دار ہیں۔

مقدمہ

آینگر کمیشن کے تقرر کے سلسلے میں حکومت جموں وکشمیر نے ایک نوٹی فی کیشن جاری کیا تھا، جس کے اہم اجزا یہ ہیں:

"بخشی غلام محمد پر چوں کہ یہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۳ء تک جب وہ ریاست جموں وکشمیر کے نائب وزیر اعظم اور وزیر اعظم ہونے کے علاوہ اور بھی بہت سے عہدوں پر فائز رہے، تو اپنے ان منصبوں سے ناجائز فایدہ اٹھاکر انھوں نے اپنے لیے، اپنے خاندان کے لئے، نیز اپنے اقربا اور ایسے لوگوں کے لیے، جن سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی، مالی ودیگر نوع کی منفعت حاصل کی۔ انھوں نے ان سب کو اپنے سرکاری منصب سے متمتع ہونے اور مالی فواید حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے، یا ان کی دراز دستیوں سے چشم پوشی کی، جس کے نتیجے میں ان کے خاندان کی اور ان کے اقربا کی املاک اور ان کے مالی وسایل میں اس درجہ اضافہ ہوا کہ اس وقت ان کی مالیت کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ لگایا جاتا ہے

"حکومت کا خیال ہے کہ یہ معاملہ چوں کہ عوامی نوعیت کا حامل ہے، اس لئے اس کی تحقیقات ضروری ہے" اور اسی کے پیش نظر "جموں وکشمیر تحقیقاتی کمیشن ایکٹ ۱۹۶۲ء کی دفعہ (۳) کے تحت حکومت کو جو اختیارات حاصل ہیں، ان کی رو سے ایک تحقیقاتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے، جو سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج شری ان، راجگوپالا اینگر پر مشتمل ہوگا، اور مندرجہ ذیل امور کی جانچ کرے گا۔

"(ا) بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کے افراد اور دیگر اعزا جن کے نام پہلے گوشوارہ کے جزو (الف[1]) درج ہیں، ان میں سے ہر ایک کی املاک کی نوعیت و وسعت کی اس طرح پڑتال کی جائے کہ

"(الف) اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ان کی مالیت کتنی تھی،

"(ب) اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ان کی مالیت کا تخمینہ کیا ہے

(ii) اکتوبر ۱۹۴۷ء اور اکتوبر ۱۹۶۳ء کے درمیانی زمانے میں بخشی غلام نے، ان کے خاندان کے افراد اور ان کے اقربا نے، جن کے نام پہلے گوشوارے کے جزو (الف) میں، اور

---

[1] Schedule I Part (A) میں بخشی غلام محمد کے بھائیوں اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی فہرست ہے، جو ۹۴ ناموں پر مشتمل ہے۔

وہ رشتے دار جن کے نام پہلے گوشوارے کے جزو (ب)[1]
درج ہیں، ان سرکاری مناصب کو، جو بخشی غلام محمد کو حاصل
تھے، ناجائز طور پر استعمال کرکے املاک، مالی وسائل، منفعت
یا فوائد تو حاصل نہیں کیے۔ یا ان کے خاندان کے متذکرہ بالا افراد
ان کے اقربا اور متوسلین نے ان کی مرضی، علم، یا چشم پوشی سے ان
کی مختلف سرکاری حیثیتوں سے بے جا فایدے تو حاصل نہیں
کیے۔"

نوٹی فیکیشن میں کمیشن کے اختیارات کی تفصیلات، اور تحقیقات
کے حدود متعین کرنے کے علاوہ یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ ۳۱/جولائی ۱۹۶۵ء
تک کمیشن اپنی رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کردے۔

کمیشن نے تقرر کے ساتھ ہی اپنا کام شروع کردیا۔ ابتدائی مراحل طے
کرنے کے بعد کمیشن نے ایک اطلاع نامہ جاری کیا، جس میں ایسے تمام
افراد کو، جو اس تحقیقات سے تعلق رکھنے والے واقعات کا علم رکھتے تھے،
دعوت دی گئی تھی کہ حلف نامے کے ساتھ وہ اپنے بیانات کمیشن کے سامنے
پیش کریں۔ حلف نامہ داخل کرنے کی آخری تاریخ ۲۹/مارچ ۱۹۶۵ء مقرر
کی گئی تھی۔

---

[1] Schedule I Part (B) میں بخشی غلام محمد کے اُن ۲۶ اقربا
اور متوسلین کے نام ہیں، جن سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی۔

کمیشنے اجلاس کے پہلے دن طرفین کے وکلا موجود تھے، اور ان کے معروضات سننے کے بعد کمیشن نے اپنا طریق کار وضع کیا۔ اس سلسلے میں کمیشن نے یہ بار مناسب سمجھی کہ نوٹی فی کیشن کے گوشوارہ نمبر (۲)[1] میں الزامات کی جو فہرست درج کی گئی ہے، ان کی جواب دہی بخشی غلام محمد پر بے چون و چرا عاید کردی جائے۔ چناں چہ کمیشن نے طے کیا کہ فرداً فرداً ہر الزام پر طرفین کے وکلا، اجلاس کے بند کمرے میں، بحث کریں۔ جسے سننے کے بعد خود کمیشن یہ فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون کون سے الزامات واقعی قابلِ تحقیق ہیں، اور اس کے بعد ہی مدعی علیہ کو صفائی پیش کرنے کی ہدایت کی جائے۔

اس طریق کار کے مطابق کمیشن نے بند کمرے میں کئی اجلاس کیے، جن میں ہر الزام سے متعلق حلف ناموں اور دستاویزوں کی جانچ پرتال کرنے اور طرفین کے وکلا کی بحثیں سننے کے بعد کمیشن نے ۳۸ میں سے ۳۶ الزاموں کے بارے میں بخشی غلام محمد اور دیگر افراد کو صفائی پیش کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ اس سلسلے میں کمیشن نے ان افراد کے نام بھی نوٹس جاری کیے، جن کی بابت عرضی دعوے میں کہا گیا تھا کہ بخشی غلام محمد کی نائب وزارت اور وزارت عظمیٰ کے دور میں انھوں نے مالی منفعت حاصل کی ہے۔

---

[1] Schedule II - میں الزامات کی فہرست تھی، جن کی مجموعی تعداد ۳۸ تھی۔

اواخر اگست ۱۹۶۵ء تک بخشی غلام محمد اور دوسرے افراد نے، جن کے نام کمیشن نے نوٹس جاری کیے تھے، اپنا اپنا جواب دعویٰ کمیشن کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی بخشی غلام محمد نے جموں وکشمیر ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ ریاستی حکومت نے تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کے سلسلے میں جو نوٹی فی کیشن جاری کیا ہے، اسے بوجوہ کالعدم قرار دیا جائے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ہائی کورٹ سے یہ استدعا بھی کی تھی کہ جب تک ان کی اس درخواست پر ہائی کورٹ اپنا فیصلہ صادر نہ کرے، اس وقت تک کے لیے کمیشن کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنی کارروائی ملتوی رکھے۔ اس درخواست کے جواز میں حسب ذیل وجوہ پیش کیے گئے تھے:

۱۔ حکومت جموں وکشمیر کا جاری کردہ نوٹی فی کیشن غیر قانونی ہے، کیوں کہ اس نوعیت کے کمیشن کا اجرا اس کے حدود اختیار سے باہر ہے۔

۲۔ نوٹی فی کیشن میں جو الزامات، انفرادی یا اجتماعی طور پر عاید کیے گئے ہیں، وہ عوامی اہمیت کے قطعاً حامل نہیں ہیں

۳۔ نوٹی فی کیشن میں بعض الزامات ایسے بھی ہیں، جن کی ذمہ داری پوری کابینہ کی ہے، کیوں کہ ان کی بابت کابینہ نے متفقہ فیصلہ کیا تھا، اسی لیے ان کی تحقیقات کے لیے صرف سائل (بخشی غلام محمد) ہی کا انتخاب کیا جانا دستور ہند کی دفعہ (۱۴) کی خلاف ورزی ہے۔

۴۔ جموں و کشمیر تحقیقاتی کمیشن ایکٹ (۱۹۶۲ء) ان الزامات کی تحقیق کرانے کا مجاز نہیں ہو سکتا، جو اس کے وجود میں آنے سے قبل کے یا کم از کم ریاستی دستور کے نفاذ سے پہلے کے ہوں۔

۵۔ بعض الزامات ایسے ہیں، جو اس ایکٹ کے حدودِ اختیار سے خارج ہیں، اور دستورِ ہند کے مطابق مرکزی حکومت کے اختیارات کی فہرست (الف) سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے بارے میں صرف پارلیمنٹ ہی قانون وضع کر سکتی ہے، اور ریاستی دستور کی دفعہ (۵) کے تحت ریاستی قانون ساز ایوان کے لئے ان معاملات میں دخل دینا ممنوع ہے۔

۶۔ جن لوگوں نے کمیشن کے سامنے بیان حلفی داخل کیے ہیں، سائل کو ان سے جرح کرنے کی اجازت نہ دے کر کمیشن نے تحقیقاتی کمیشن ایکٹ، ۱۹۶۲ء کی دفعات کی خلاف ورزی کی ہے۔

۷۔ جواب دعویٰ لکھنے کے لیے جن دستاویزوں کا مطالعہ ضروری ہے، سائل کو ان درخواستوں کا معائنہ کرنے کی اجازت نہ دینا، قانون کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔

۸- سائل کے خلاف اس تحقیقاتی کمیشن کا تقرر جوں کہ حکومت کی بدنیتی کا غماز ہے ، اس لیے جموں و کشمیر تحقیقاتی کمیشن ایکٹ سنہ ۱۹۶۲ء کا یہ ناجائز استعمال ہے ۔

جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے فاضل ججوں نے (متفقہ طور پر یا اکثریت سے) درخواست کنندہ کے پیش کردہ مندرجہ بالا وجوہات میں سے دوسری، تیسری، پانچویں، چھٹی اور ساتویں کے باب میں اسے حق بجانب قرار دیا، اور پہلی، چوتھی اور آٹھویں کو مسترد کر دیا ۔ جموں و کشمیر ہائی کورٹ نے اپنا یہ فیصلہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو صادر کیا ۔ اس کے نتیجے میں ۳۰ر جنوری کا وہ نوٹی فیکیشن کالعدم ہو گیا، جس کی رو سے تحقیقاتی کمیشن کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ساتھ ہی کمیشن کی کارروائی بھی رک گئی ۔

جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف ریاستی سرکار نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی ۔ اس کی سماعت سپریم کورٹ کی دستوری بینچ نے کی جو چیف جسٹس کے علاوہ چار اور ججوں پر مشتمل تھی ۔ ۶ر مئی ۱۹۶۶ء کو سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے حکومت جموں و کشمیر کی اپیل کو قبول اور جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے فیصلے، مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو مسترد کرتے ہوئے، متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ جموں و کشمیر تحقیقاتی کمیشن ایکٹ (۱۹۶۲ء) کے تحت حکومت جموں و کشمیر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے کی یقیناً مجاز ہے، اور اس باب میں ہائی کورٹ کا فیصلہ صحیح ہے ۔ لیکن الزامات کے اہم عوامی نوعیت کے ہونے یا نہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے، سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کی

رائے سے اختلاف کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ:

"یہ بات خارج از بحث ہے کہ جس شخص نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تھا، وہ ان کے دوبارہ ارتکاب کے لیے اب بھی برسرِاقتدار ہے یا نہیں! اس امر کی تحقیق غیر ضروری ہے کہ جس شخص نے ایک بار ان باتوں کا ارتکاب کیا ہے، دوبارہ ان کے ارتکاب کی اس میں اہلیت ہے یا نہیں، بلکہ تحقیق تو اُن باتوں کی کرنی ہے، جن کا ارتکاب ہو چکا ہے۔ بخشی غلام محمد کا اس وقت برسرِاقتدار نہ ہونا قطعاً اس سوال پر اثر انداز نہیں ہوتا کہ جن باتوں کا وہ ارتکاب کر چکے ہیں ان کی نوعیت عوامی اہمیت کی حامل ہے یا نہیں؟ یہ بات اگر ایک بار تسلیم کر لی جائے، جیسا کہ ہمارے سامنے تسلیم کی جا چکی ہے کہ بخشی غلام محمد اگر اس وقت بھی برسرِاقتدار ہوتے، تو ان الزامات کی نوعیت یقیناً عوامی اہمیت کی حامل ہوتی، تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس وقت ان باتوں کا ارتکاب کیا گیا تھا، اس وقت بھی ان کی نوعیت عوامی اہمیت ہی کی حامل تھی۔

"ایک وزیر یقیناً عوامی عہدے کا مالک ہوتا ہے، اور اس کے اقدامات بھی، جن کا تعلق اس کے عہدے سے ہو، لازماً عوامی اقدامات ہی ہوتے ہیں۔ اگر وہ سنجیدہ نوعیت کے ہوں تو ان کی نوعیت قدرتی طور پر عوامی اہمیت کی حامل ہوگی

چناں چہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں وزیر نے اپنے سرکاری منصب کا بے جا استعمال کر کے اپنے لیے، اپنے اقربا اور اپنے متوسلین کے لیے بڑی بڑی املاک حاصل کی ہیں، جیسا کہ یہاں الزام لگایا گیا ہے، تو پھر اس کا امکان ہی نہیں ہے کہ وہ معاملہ عوامی اہمیت کا حامل نہ ہو...

"یہ امر بھی عوامی اہمیت کا حامل ہے کہ عوامی لوگ بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں اگر ناکام رہیں، تو انھیں اس کے عواقب کا سامنا کرنا پڑے، اور یہ بات بھی یقیناً عوامی اہمیت ہی کی حامل ہے کہ وزرا کی فروگزاشتیں عوام کے سامنے لائی جائیں۔ عوامی زندگی کی پاکیزگی، جس سے عوام کو گہری دل چسپی ہونی چاہیے، اس کی نوعیت یقیناً عوامی اہمیت ہی کی ہوتی ہے..."

سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں اس امر کی بھی وضاحت کی کہ نوٹی فی کیشن میں جن الزامات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی نوعیت قطعی طور پر عوامی نوعیت ہی کی ہے، اور کمیشن ان سب کی تحقیقات کرنے کا مجاز ہے۔

جموں و کشمیر ہائی کورٹ کی طرح سپریم کورٹ نے بھی بخشی غلام محمد کے اس دعوے کو مسترد کر دیا کہ اس کمیشن کا تقرر جموں و کشمیر حکومت کی بدنیتی کی غمازی کرتا ہے۔ چناں چہ سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں واضح الفاظ میں لکھا کہ بخشی غلام محمد اس بات کو ثابت کرنے سے قاصر

رہے ہیں کہ تحقیقاتی کمیشن کا تقرر نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے۔

دستور ہند کی دفعہ ۱۴ کے حوالے سے دعویٰ کیا گیا تھا کہ ایسے الزامات کی تحقیقات کے لئے بھی بخشی غلام محمد ہی کو تنہا ہدف بنا دیا گیا ہے، جو کابینہ کے فیصلے ہیں۔ اس دلیل کو مسترد کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے فیصلہ کیا کہ یہ تحقیقات اس دولت کے بارے میں ہے، جو بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کو ناجائز طور پر استعمال کر کے، اپنے لئے، اور اپنے اعزا واحباب کے لیے حاصل کی تھی، اور اس کے مطابق ان کی بجائے خود ایک ایسی مستقل حیثیت بن جاتی ہے، جس کا اس تحقیقاتی کمیشن کے تقرر سے راہ راست تعلق ہے، جو صرف اس بات کا پتہ چلانے کی غرض سے مقرر کیا ہے کہ بخشی غلام محمد نے جو دولت حاصل کی ہے، وہ اپنی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کر کے تو نہیں حاصل کی ہے۔

سپریم کورٹ نے اسی طرح اور سوالات کے باب میں بھی ریاستی حکومت کی اپیل کو قبول کرتے ہوئے جموں وکشمیر ہائی کورٹ کے فیصلے کو مسترد کر دیا۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ۱۸ مئی ۱۹۶۶ء کو دوبارہ کمیشن کا پہلا اجلاس ہوا۔ جس میں سرکاری وکیلوں کے علاوہ بخشی غلام محمد کے دو وکیل بھی موجود تھے۔ اس اجلاس میں کمیشن نے بتلایا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں تحقیقات کا طریق کار طے کرنے کے لیے تاریخ کا تعین کیا

جارہا ہے۔ کمیشن نے یہ بھی بتلایا کہ اسی تحقیقات کے سلسلے میں گورنمنٹ کے خلاف دو اور درخواستیں بھی ہائی کورٹ میں پیش ہیں، جب تک ان کا فیصلہ نہ ہو جائے، کمیشن تحقیقات کا کام شروع نہ کرے گا۔ دوسرے اجلاس کی تاریخ کمیشن نے، وقتی طور پر، ۱۵/ جون ۱۹۶۵ء اس خیال سے مقرر کی کہ اس وقت تک شاید ان درخواستوں کا بھی فیصلہ ہو جائے جو جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے سامنے پیش ہیں۔ اسی اجلاس میں کمیشن نے مدعی علیہ (بخشی غلام محمد) کو ۱۵/ جون ۱۹۶۶ء تک الزام نمبر (۱) کا جواب نامہ داخل کرنے کا، جو اس وقت تک داخل نہیں کیا گیا تھا، مزید موقع دیا۔

جموں و کشمیر ہائی کورٹ نے ۲۵/ مئی ۱۹۶۶ء کو بخشی غلام محمد کی متذکرہ بالا دونوں درخواستوں کو مسترد کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ان پر غور کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ۱۵/ جون ۱۹۶۶ء کو کمیشن کا دوسرا اجلاس جب شروع ہوا، تو بخشی غلام محمد اور دیگر مدعی علیہم حاضر نہیں تھے لیکن دوسرے روز، ۱۶/ جون کو، بخشی غلام محمد کی طرف سے ایک درخواست کمیشن کے سامنے پیش کی گئی، جس میں سماعت کی تاریخ بڑھانے کی اس بنا پر استدعا کی گئی تھی کہ انھوں نے گورنر کی خدمت میں یہ عرضی گزرانی ہے کہ "حلف رازداری" کی پابندی سے انھیں آزاد کیا جائے، ساتھ ہی کمیشن کے اجلاس میں عدم پیشی کا عذر یہ پیش کیا گیا کہ سماعت کی

تاریخ کے بارہ میں انھیں کچھ اشتباہ تھا۔ اوراسی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ کمیشن نے تاریخ سماعت بڑھانے کی درخواست تو مسترد کردی، مگر سائل کو اس کا مزید موقع دیا کہ اگر وہ چاہے تو ۴ر جولائی ۱۹۶۶ء کو حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرے۔

۴ر جولائی کو بخشی غلام محمد کی طرف سے ایک اور درخواست کمیشن کے سامنے پیش کی گئی، جس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعض پہلوؤں کی تشریح کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کمیشن نے اس کے جواب میں بخشی غلام محمد کے وکیل شری ٹی، آر بھسین کو ہدایت کی کہ دوسرے دا ۵ر جولائی کو وہ اس درخواست پر بحث کریں۔

۵ر جولائی کو بخشی غلام محمد کے وکیل شری ٹی، آر، بھسین کمیشن کے سامنے حاضر تو ہوئے، لیکن اپنے موکّل کی درخواست پر بحث کرنے کی جگہ پر انھوں نے کمیشن سے استدعا کی کہ بلا بحث ہی کے درخواست پر احکام صادر کر دئے جائیں۔ اس کے لیے کمیشن نے ۱۱ر جولائی کی تاریخ مقرر کی۔

کمیشن نے متذکرہ بالا درخواست پر ۱۱ر جولائی کو تفصیلی احکام صادر کئے، اور ان تمام نکات کی وضاحت کرتے ہوئے، جن کا مدعی علیہ نے اپنی درخواست میں ذکر کیا تھا، یہ بھی کہا کہ اس وقت بھی بخشی غلام محمد اگر کمیشن کے سامنے حاضر ہونا چاہیں تو سرکاری وکیل کو ہدایت کی جائے گی کہ اُن کی آگاہی کے لئے وہ از سرِ نو ان الزامات پر بحث کرے، جن پر بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کمیٹی نے توقع بھی ظاہر کی کہ اس منصفانہ

پیش کش کے بعد مدعی علیہ کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر بیان دے گا، کیوں کہ تحقیقات کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے کمیشن ان باتوں کے بارے میں، جو اس تحقیقات کا موضوع ہیں، ان کا تفصیلی بیان سننے کا متمنی و مشتاق ہے۔

بخشی غلام محمد اور دیگر مدعی علیہم کمیشن کے فیصلے کے بعد بھی کمیشن کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔ سرکاری وکیل نے، بہر کیف، مختلف الزامات پر بحث کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۷ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو بخشی غلام محمد نے اپنے وکیل شری ٹی، آر، بھسین کی معرفت ان بحثوں کی نقلیں حاصل کرنے کی درخواست دی، جو سرکاری وکیل نے اب تک کی تھیں۔ لیکن ان بحثوں کے مصدقہ اندراجات چوں کہ نہیں تھے، اس لیے سرکاری وکیل نے ان کی نقلیں دئے جانے پر اعتراض کیا۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو کمیشن نے یہ درخواست خارج کر دی۔

سرکاری وکیل نے مختلف الزامات کے سلسلے میں کمیشن کے سامنے جو بحثیں کی ہیں، آگے آنے والے ابواب میں، ان ہی کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ الزامات کو، ان کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف گروپوں (حصوں) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے:

گروپ	نمبر
۱۔ ٹرانسپورٹ	۱۶، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۴، ۳۵، ۳۷،

۱

۵ر دسمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل مسٹر پی، پی، کھمباٹا نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے الزام نمبر ایک پر بحث شروع کی۔ یہ اُس املاک سے متعلق ہے، جو بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کے افراد نے، ان کی نائب وزارت کے دور اور وزارت عظمیٰ کے عہد میں حاصل کی تھی۔

سرکاری وکیل نے بتلایا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل بخشی خاندان کے وسایل بے حد محدود تھے، لیکن ۱۹۶۳ء میں ان کی املاک کی مالیت ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہوگئی۔ وکیل نے کہا کہ املاک اور مالی وسایل کے اضافے کے سلسلے میں بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب سے ناجائز فایدہ اٹھایا اور ان کے خاندان کے افراد نے بھی، ان کی دانستہ چشم پوشی سے، ان کی سرکاری حیثیت کا بے جا استعمال کیا۔ اس سلسلے میں حکومت نے جو دستاویزیں کمیشن کے سامنے پیش کی تھیں، ان میں سے پہلی دستاویز مسٹر کھمباٹا نے پڑھ کر سنائی۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو بخشی غلام محمد نے جملہ اقسام کے فرنیچر فراہم کرنے کے لیے بخشی اینڈ کمپنی اور نئی دہلی کے پنڈت برادرس کے درمیان، کیا تھا۔ سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اس معاہدے کے مطابق

منافع کا ۶۶ فی صدی حصہ بخشی کمپنی کو اور ۳۴ فی صدی پنڈت برادرس کو ملنا طے پایا تھا۔ وکیل نے بتلایا کہ یہ بخشی غلام محمد اور اُن کے بھائیوں کا مشترکہ کاروبار تھا، جس میں ان کے چچازاد بھائی بخشی غلام حسین بھی ایک حصہ دار تھے۔ پنڈت برادرس کے کھاتوں کے مطابق، جن کی نقل سرکاری دستاویزوں کے ساتھ بہ طور ضمیمے کے منسلک کی گئی ہے، یہ کمپنی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۸ء تک کام کرتی رہی۔ اور ان ہی کھاتوں کے اعداد و شمار کی جانچ پڑتال سے پتا چلتا ہے کہ بخشی خان دان کی آمدنی تین سو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں تھی۔ اسی سلسلے میں مسٹر کھمباٹا نے راشن کے ان فارموں کا ذکر کیا جو بخشی خان دان کے افراد نے راشن لینے کے سلسلے میں فوڈ اینڈ سپلائی ڈپارٹ منٹ میں داخل کیے تھے، اور جن سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک بخشی خان دان کے مالی وسایل زیادہ نہیں تھے۔ اپنے اس بیان کی مزید تائید میں مسٹر کھمباٹا نے بتلایا کہ ۱۹۴۸ء تک بخشی خان دان انکم ٹیکس کی تشخیص سے بھی بری رہا۔ لیکن ۱۹۴۸ء کے بعد ان لوگوں کی آمدنی کی تصویر یک سر بدل گئی۔

اپنی بحث کو جاری رکھتے ہوئے سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ بخشی عبدالحمید، (بخشی غلام محمد کے بھائی) ۱۹۴۷ء تک سری کلچرڈ ڈپارٹ منٹ میں انسپکٹر تھے اور ان کی تنخواہ صرف ۴۸ روپے ماہ وار تھی، اور ان کے ماموں زاد بھائی بخشی عبدالرشید سول سپلائی ڈپارٹ منٹ پچاس روپے ماہانہ کے ملازم تھے۔ اسی سلسلے میں وکیل نے اس

ان کے دستاویزی ثبوت پیش کیے کہ ۱۹۴۷ء تک بخشی غلام محمد اور ان کے چار حقیقی نیز چار قریبی رشتے کے بھائیوں کی غیر منقولہ جائیداد کی مجموعی قیمت کا تخمینہ آٹھ ہزار نو سو روپے تھا۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے بخشی خان دان کی بے پناہ روز افزوں دولت کا ذکر کیا، جو ۱۹۴۷ء کے بعد پیدا کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں بھی سرکاری دستاویزیں پیش کرتے ہوئے وکیل نے بتلایا کہ یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو حکومت ہند نے ایک پریس کمیونک جاری کیا تھا جس میں لوگوں سے ان کی املاک اور کاروبار میں لگی ہوئی دولت کا تحریری تخمینہ ظاہر کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ اس موقع کاروبار میں لگی ہوئی دولت کا تخمینہ بخشی عبدالمجید نے چھ لاکھ روپے، اور بشیر احمد اور مس شمع (بخشی غلام محمد کے بیٹے اور بیٹی) نے بالترتیب دو لاکھ اور پچھتر ہزار روپے، بخشی غلام نبی (بخشی غلام محمد کے بھائی) اور ان کے تین لڑکوں نے ڈھائی لاکھ روپے، خود بخشی غلام محمد نے صرف پچیس ہزار اور ان کے قریبی رشتے کے بھائی بخشی غلام احمد نے پچاس ہزار روپے ظاہر کی تھی۔

اسی طرح فیروز اینڈ کمپنی[۱] کے حصے داروں کے تحریری بیانوں کے

---

[۱] فیروز اینڈ کمپنی میں بخشی خان دان کے افراد حصے دار تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مطابق اس کمپنی کی مالیت بارہ لاکھ روپے تھی۔ یہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد وکیل نے کہا کہ اس راز کا پتا نہیں چلتا کہ یہ لکھوکھا روپے آخر آئے کہاں سے، یا یہ دولت کب اور کیسے جمع ہوئی؟

وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ بخشی خان دان کے افراد نے ۱۹۵۶ء میں انکم ٹیکس ڈپارٹ منٹ میں اپنے اثاثہ کا تخمینہ پیش کیا تھا، جس کی مجموعی رقم سولہ لاکھ چار سو ستر روپے تھی۔ اسی سلسلے میں وکیل نے دستاویزیں پیش کرتے ہوئے یہ بھی انکشاف کیا کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک بخشی خان دان کے افراد نے پندرہ کمپنیاں قایم کیں، جو فوج اور جنگلات کے ٹھیکوں، سینما کی فلموں، پٹرول اور موٹر گاڑیوں کی تجارت اور اسی نوع کے دوسرے کام کرتی تھیں۔

سرکاری طور پر جو دستاویزیں کمیشن کے سامنے پیش کی گئی تھیں ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوتے، جس کا تعلق بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کی املاک سے تھا، سرکاری وکیل نے بتلایا کہ ۱۹۶۳ء میں بخشی خان دان کی رہائشی عمارتوں کی قیمت کا تخمینہ ۷،۵۳،۴۲۹ روپے؛ تجارتی عمارتوں کا ۷،۵۵،۰۰۰؛ تجارتی اراضیوں کا ۳،۲۲،۶۹،۱۵۰؛ تجارت لگی ہوئی دولت کا ۱۲،۰۸۳۲۷،۲۹ روپے؛ منقولہ جائیداد جس میں موٹر گاڑیاں بھی شامل ہیں ۱،۰۹،۰۹،۱۵۰ روپے؛ نقدی، کمپنیوں کے حصوں اور سیکورٹی ڈپازٹ کی شکل میں ۴،۱۶،۳۸،۶۴۰ روپے تھا۔ اس طرح سے اکتوبر ۱۹۶۳ء تک بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان

نے مجموعی طور پر ۳۳،۱۹۵،۶۵،۳۵ روپے کے تخمینے کی دولت پیدا کر لی تھی۔

فیروز اینڈ کمپنی کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ بخشی غلام محمد نے ۱۹۴۷ء میں اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فایدہ اٹھا کر ایک فوجی ٹھیکے دار فیروز رُومر کو مجبور کیا کہ وہ اپنے کاروبار میں بخشی عبدالمجید کو بھی حصہ دار بنا لے۔ وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ اس امر کے دستاویزی شواہد موجود ہیں کہ آگے چل کر فیروز رومر کو الگ کر دیا گیا، اور فیروز اینڈ کمپنی بخشی خان دان کی یک سر ملکیت بن گئی۔ اس کمپنی نے فوجی سپلائی کے ٹھیکوں کی اجارہ داری حاصل کر کے بے تحاشا منافع حاصل کیا، اور اسی منافع کی رقم سے دوسری کمپنیاں قایم کی گئیں۔

سرکاری وکیل نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہ بخشی غلام محمد نے فیروز اینڈ کمپنی میں کیوں اس درجہ دل چسپی لی، انکشاف کیا کہ اس میں بخشی کا لڑکا اور لڑکی بھی حصے دار تھے، اگرچہ یہ دونوں اس وقت نابالغ تھے، اور فرم کو چلانے میں کسی قسم کا عملی حصہ نہیں لے سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھیں حصے دار بنایا گیا، اور انھوں نے اس سے تین لاکھ روپے کا منافع حاصل کیا۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل دستاویزی گوشوارہ پیش کیا جس میں بخشی خان دان کے دیگر افراد کی ۱۹۶۳ء میں جو املاک اور تجارتی سرمایہ تھا اس کی تفصیل درج ہے:

۱۔ بخشی غلام نبی اور ان کا خان دان ۲۴،۰۴،۳۹۱،۹۳
۲۔ بخشی علی محمد اور ان کا خان دان ۵۹،۵۰۰،۰۰
۳۔ بخشی ولی محمد اور ان کا خان دان ۲،۸۵،۸۳۷،۰۰
۴۔ بخشی عبد المجید اور ان کا خان دان ۷۲،۳۲،۷۴۹۱،۷
۵۔ بخشی عبد الحمید اور ان کا خان دان ۴۴،۴۱،۹۸۵،۰۰
۶۔ بخشی عبد الرشید اور ان کا خان دان ۶،۸۳،۳۴۹،۵۰
۷۔ بخشی غلام احمد اور ان کا خان دان ۱،۹۰،۵۴۴،۰۰
۸۔ بخشی غلام حسین اور ان کا خان دان ۶،۷۵،۳۹۴۴،۱۵

ان تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اکتوبر ۱۹۶۳ء تک بخشی غلام محمد اور ان کے اعزا و اقربا کی املاک کی مجموعی مالیت کا تخمینہ ۱،۵۵،۳۸،۳۴۶،۰۸ روپے تک پہنچ گیا۔

سرکاری وکیل نے فیروز کمپنی اور دوسری کمپنیوں کے انکم ٹیکس کے کاغذات بھی کمیشن کے سامنے پیش کیے، جن سے پتا چلتا ہے کہ بخشی غلام محمد اور ان کے خان دان کے سالانہ منافع کی وسعت و گیرائی کیا تھی۔ فیئر ڈیل موٹر کمپنی (سری نگر) کا ذکر کرتے ہوئے وکیل نے بتلایا کہ ۱۹۶۳ء تک اس کمپنی کے حصہ داروں کو دس لاکھ روپے کا منافع ہوا تھا۔ چوں کہ یہ ایک چالو کمپنی ہے اس لیے اندازہ ہے کہ ۱۹۶۳ء کے بعد بھی ۱،۵ لاکھ روپے کا سالانہ منافع آ رہا ہوگا۔ اس حساب سے ۷،۵ لاکھ روپیہ کی مزید رقم حصہ داروں کو ملی ہوگی۔

بخشی خان دان نے استقلال میں جو اراضی ۱۹۶۱ء میں حاصل کی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ بازار کے عام نرخ، پانچ ہزار روپے فی کنال، کے حساب سے اگر اس اراضی کی قیمت لگائی جائے تو یہ پانچ لاکھ سے زاید ہوگی، اگرچہ اس کی قیمت صرف پچیس ہزار روپے ہی ادا کی گئی تھی۔

سرکاری وکیل نے بتلایا کہ جنگلات کے ٹھیکوں کی رقموں کی معافی کی شکل میں حاجی غلام نبی اور ان کے بیٹوں کو کم وبیش بیس لاکھ کا مالی فایدہ ہوا ہے۔ چرالا کے جنگلات کے پٹے کے سلسلے میں، جے سکے ٹمبر ٹریڈرس نے، بخشی غلام کی سرکاری حیثیت سے ناجائز فایدہ اٹھاکر، کم از کم تیرہ لاکھ کا مالی فایدہ حاصل کیا۔

سرکاری وکیل نے اسی سلسلے کے الزامات کا گوشوارہ کمیشن کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس امر کی تشریح کی کہ بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت سے ناجائز فایدہ اٹھاکر بخشی خان دان کے افراد نے ساٹھ لاکھ سے زاید کی مالی منفعت حاصل کی ہے۔

۲

سرکاری وکیل مسٹر پی، پی، کھمباٹا نے ۲، اگست ۱۹۶۶ء کو تحقیقاتی کمیشن کے سامنے الزام نمبر ۴ پر بحث شروع کرتے ہوئے کہا، کہ الزام حسب ذیل ہے:

"بشری احمد شورا کو اپنی ۴ کنال ۳ مرلا اراضی جو موضع مالل (پہل گام) میں تھی، بخشی غلام محمد کے بھائیوں ـ بخشی غلام نبی اور بخشی عبدالمجید اور بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد کے ہاتھ دو بیع ناموں کے ذریعے سے، جن کی رجسٹری ۱۹۵۰ء میں ہوئی تھی، فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کرکے یہ بیع نامے کرائے گئے تھے، اور اس سلسلے میں بخشی غلام محمد کے اعزا نے، ان کی چشم پوشی سے، ان کے سرکاری منصب کا بے جا فایدہ اٹھایا تھا۔"

مسٹر کھمباٹا نے اس داستان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ جولائی ۱۹۵۰ء میں بخشی غلام محمد، جو اس وقت نائب وزیر اعظم

تھے، پہل گام تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کے بھائی بخشی عبدالمجید بھی تھے۔ پہل گام ٹاؤن ایریا کے اکزیکیٹو افسر شری جانکی ناتھ کچرو کو بلوا کر بخشی غلام نے ہدایت کی کہ احمد شورا سے مل کر وہ کہیں کہ مالل (پہل گام) میں جو ان کی اراضی ہے اس میں سے چار کنال بخشی غلام محمد خریدنا چاہتے ہیں۔ شری کچرو نے احمد شورا کو جب یہ پیغام سنایا تو انھوں نے کہا کہ یہی زمین دو ہزار روپے فی کنال کے حساب سے اوتار کرشن واتل خریدنا چاہتے تھے، جو ایک مل مالک ہیں، مگر میں نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اب چوں کہ بخشی غلام محمد اس اراضی کو خریدنا چاہتے ہیں اس لیے وہ انھیں دے دیں گے بشرطے کہ اس کے معاوضے میں جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کا ایک ٹرک انھیں بخشی صاحب دے دیں۔ اس وقت ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے ٹرک کی نیلامی قیمت آٹھ ہزار تھی۔ شری کچرو نے یہ جواب بخشی غلام محمد تک پہنچا دیا اور انھوں نے احمد شورا کی شرط منظور کر لی۔

اسی دن، ۲۲ ہر ۲۰۰۷ کو، بخشی غلام محمد نے متعلقہ اراضی کا معائنہ کرنے کے بعد اس رقبے کا تعین کیا جو وہ خریدنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے احمد شورا کو اطلاع دی کہ اراضی کی پیمائش اور اس کا شجرہ و خسرہ بنانے کے لیے پٹواری بھیجا جا رہا ہے۔ پٹواری نے اپنا کام کرنے کے بعد شجرہ و خسرہ مسٹر کچرو کے حوالہ کر دیا، جس کے مطابق مطلوبہ اراضی ۴ کنال ۳ مرلا نکلی۔

دوسرے دن ۲۳ مئی ۲۰۰۷ کو بخشی غلام محمد نے مسٹر کچروہی کی معرفت احمد شوراکو اطلاع دی کہ مطلوبہ اراضی چوں کہ ۴ کنال سے زیادہ ہے اس لیے اس کا معاوضہ، ٹرک کے علاوہ، ڈیڑھ سو روپے فی کنال کے حساب سے بھی ادا کیا جائے گا۔ اسی روز احمد شوراکو بیع نامے کے لئے جب بلایا گیا تو اس وقت بخشی غلام محمد اور بخشی عبدالمجید کے علاوہ وثیقہ نویس اور اسٹامپ فروش بھی وہاں موجود تھے۔ بخشی غلام محمد نے وثیقہ نویس کو بخشی عبدالمجید، بخشی غلام نبی اور بخشی بشیر احمد کے نام بیع نامہ لکھنے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ ہدایت بھی کی کہ معاوضہ کی رقم دو ہزار ساٹھ لکھی جائے۔ ان ہدایات کے مطابق وثیقہ نویس نے بیع نامے کا مسودہ تیار کردیا۔ لیکن بخشی غلام محمد نے صرف پندرہ سو کی رقم احمد شوراکے حوالے کی۔ بیع نامے کا مسودہ جب احمد شوراکو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے کہا کہ اس میں نہ تو ٹرک کا ذکر ہے اور نہ ڈیڑھ سو روپے فی کنال کے حساب سے جو رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ انھیں مل رہی ہے۔ یہ سن کر بخشی غلام محمد کو غصہ آگیا، اور انھوں نے وثیقہ نویس کے ہاتھ سے بیع نامہ چھین کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ احمد شورا نے پندرہ سو کی وہ رقم واپس کردی جو اسے دی گئی تھی۔ اس کے بعد بخشی غلام محمد یہ کہتے ہوئے، غیض کے عالم میں کمرے سے نکل گئے کہ وہ دیکھیں گے کہ یہ زمین انھیں نہیں ملتی ہے۔ ان کے جانے کے بعد غلام احمد میر نامی ایک شخص اور بخشی مجید نے احمد شوراکو ڈرانا دھمکانا شروع کیا، اور کہا کہ اگر

اس نے یہ زمین ان کے ہاتھ فروخت نہ کی تو اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ بالآخر غریب احمد شورا نے، ان دھمکیوں سے ڈر کر، دوسرے روز، ۲۴/۲/۲۰۰۷ کو، دس ہزار کی رقم کے عوض میں مطلوبہ اراضی کا بیع نامہ کر دیا، اگرچہ انھیں صرف پندرہ سو ہی کی رقم ملی۔

سرکاری وکیل نے اپنے متذکرہ بالا بیان کے ثبوت میں دستاویزیں اور بیان حلفی پیش کرنے کے علاوہ اس بیع نامے سے متعلق وثیقہ نویس کے رجسٹر کے متعلقہ اندراجات کی نقل بھی پیش کی۔ اس نقل کی طرف کمیشن کو توجہ دلاتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اس پر احمد شورا کا نشان انگوٹھا بھی ہے، جو اس نے وثیقہ نویس کے رجسٹر پر لگایا تھا۔ بعد میں اسے قلم زد کیا گیا، اور اس سلسلے میں وثیقہ نویس نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بیع نامہ مکمل ہونے کے بعد فروخت کنندہ نے اسے قبول نہیں کیا، اس لیے رجسٹر پر اس کا جو نشان انگوٹھا تھا، اسے قلم زد کر دیا گیا۔ اس کی تصدیق بخشی عبدالمجید نے بھی کی تھی۔ وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ احمد شورا نے بھی اپنے بیان حلفی میں یہی بات کہی ہے کہ بیع نامے کے پہلے مسودے کو اس نے قبول نہیں کیا تھا۔ اس بیان کی تصدیق وثیقہ نویس کے رجسٹر کے متذکرہ بالا اندراج سے بھی ہوتی ہے۔

پہل گام میں اراضی حاصل کرنے کی داستان اسی جگہ ختم

نہیں ہوتی، اس کا ایک دوسرا حصہ بھی ہے جو الزام نمبر ۵ ہے، اور جس کے مطابق احمد شورا سے خریدی ہوئی زمین سے متصل شاملات اور جنگلات کی ۱۷ کنال ۷ مرلا اراضی پر بھی قبضہ کیا گیا۔

سرکاری وکیل نے ۳؍ اگست ۱۹۶۷ء کو، الزام نمبر ۵ پر بحث شروع کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے پہل گام میں جو اراضی احمد شورا سے اپنے دو بھائیوں اور بیٹے کے نام سے خریدی تھی، آگے چل کر اس کے رقبے میں ۱۲ کنال دس مرلا جنگلات کی زمین اور ۴ کنال ۱۷ مرلا شاملات کی زمین کا ناجائز طور پر مزید اضافہ کیا گیا۔ اسی زمین پر بخشی غلام محمد نے ایک عمارت بنوائی، جو ۲۳؍ مارچ ۱۹۶۱ء کو ڈیڑھ لاکھ روپے میں ناردرن ریلوے کو فروخت کی گئی۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دستاویزوں کی مدد سے وہ ثابت کر سکتا ہے کہ شاملات اور جنگلات کی اراضیوں پر ناجائز قبضہ بخشی غلام محمد ہی نے کیا تھا اور اس سلسلے میں محکمۂ مال کے کاغذات میں، ان ہی کے اشارے پر، غلط اندراجات کیے گئے تھے،

اس بیان کے دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ خسرہ نمبر ۲۸ کے مطابق شاملات کی زمین میں سے ۶ کنال ۹ مرلا اراضی احمد شورا کے قبضے میں تھی، اس میں سے صرف ایک کنال ۱۲ مرلا اراضی اس بیع نامے میں شامل تھی، جو بخشی خان دان کے نام سے احمد شورا سے خریدی گئی تھی۔ باقی ۴ کنال ۱۷ مرلا اراضی بدستور احمد شورا ہی کے

قبضے میں رہی، اور خریف ۲۰۱۰ (۱۹۵۳ء) تک محکمہ مال کے رجسٹروں میں احمد شورا کا نام درج ہوتا رہا۔ مئی ۱۹۵۴ء میں بخشی غلام محمد نے پٹواری نبیر بھٹ کو ہدایت کی کہ ربیع ۲۰۱۱ کی گرداوری اندراجات میں خسرہ نمبر ۲۸ پورے کا پورہ ان لوگوں کے نام درج کر دیا جائے جنھوں نے احمد شوری سے ملحقہ اراضی خریدی ہے۔

جنگلات کی زمین کے سلسلے میں وکیل نے کہا کہ ۱۹۵۸ء میں بخشی غلام محمد نے لڈر رینج کے رینج افیسر محمد یاسین فاروقی اور فارسٹر کاشی ناتھ کول کو "پہل گام کو خوب صورت بنانے کی اسکیم" کے تحت ہدایت کی کہ جنگلات کی زمین چار دیواری سے گھیر دی جائے۔

دسمبر ۱۹۶۰ء میں جب پہل گام کی عمارت کا معاملہ ناردرن ریلوے سے ہو رہا تھا، تو بخشی غلام محمد پہل گام گئے۔ ڈپٹی کمشنر ملک عبد الخالق بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ اس موقع پر متعلقہ پٹواری کو بلا کر ہدایت کی گئی کہ ناجائز قبضہ کی ہوئی اراضی کو ۱۹۵۷ء کے کراپ انسپکشن رجسٹر میں بخشی عبد المجید، بخشی غلام نبی اور بخشی بشیر احمد کے نام سے درج کیا جائے۔ اس ہدایت پر عمل درآمد کے بعد ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کی گئی کہ اسی اندراج کے مطابق وہ سرٹی فیکٹ جاری کر دے۔ بالآخر یہی اراضی، جو اب ۱۳۱ کنال ۱۰ مرلا ہو گئی تھی، اور جس میں ناجائز قبضہ کی ہوئی ارضی بھی شامل تھی، ناردرن ریلوے کو ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کی گئی

سرکاری وکیل نے اس سلسلہ میں جو دستاویزیں کمیشن کے سامنے

پیش کیں، ان میں نارورن ریلوے کے ایگزیکٹو انجینیر شری اس، کے، گنڈوترا کا ایک بیان حلفی بھی تھا، جس میں انھوں نے بیان کیا تھا کہ پہل گام میں ریلوے افسروں کے لیے ایک معقول آرام گاہ تعمیر کرنے کے سلسلے میں فروری ۱۹۶۰ء میں جب وہ جموں گئے تو بخشی غلام محمد سے بھی ملے تھے۔ اس ملاقات کے دوران بخشی غلام محمد نے اس مکان کا بھی ذکر کیا تھا، جو بخشی خان دان کی ملک تھا۔ سرکاری وکیل نے اس سلسلے میں ڈپٹی کمشنر عبدالخالق اور محکمۂ مال کے افسروں کے بیان حلفی کا بھی ذکر کیا، جن سے ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے ان جوابات کا ذکر کیا جو بخشی غلام محمد بخشی غلام نبی، بخشی عبدالمجید اور بخشی بشیر احمد نے داخل کئے تھے۔ بخشی غلام محمد نے سرے سے الزامات کی تردید کی تھی۔ بخشی عبدالمجید نے دعوی کیا تھا کہ جنگلات کی اراضی ان کے جائز قبضے میں تھی۔ بخشی غلام نبی اور بخشی بشیر احمد نے بخشی عبدالمجید کے جواب کی پیروی کی تھی۔ سرکاری وکیل نے ان جوابات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ سرکاری الزامات کی ان سے تردید نہیں ہوتی۔ اور جنگلات کی اراضی کی توحد بندی ہو چکی تھی۔ بلکہ اس کے ستون اب تک باقی ہیں۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو مامل (پہل گام) کی متعلقہ اراضی کا کمیشن نے بہ نفس نفیس معائنہ کیا۔

۵ راگست ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۶ پر بحث شروع کی، جس کا تعلق بھی پہل گام ہی کے ایک گاؤں نونہ ونن کی اراضی کے حصول اور ملحقہ سرکاری زمین پر ناجائز قبضہ سے تھا۔ الزام کی عبارت یہ ہے:

"کنور رشی سنگھ نے ۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو رجسٹری شدہ بیع ناموں کے ذریعے ۲۰ کنال ۱۷ مرلا اراضی مع ایک مکان کے جو موضع نونہ ونن (پہل گام) میں واقع ہے، بخشی غلام کے بیٹے اور بیٹی بخشی بشیر احمد اور شمع میر، کے ہاتھ فروخت کی۔ محکمہ جنگلات کی ۴۸ کنال ۵ مرلا اراضی اور جموں کے شری بلکے بہاری کی ۴ کنال اراضی ناجائز طور پر قبضہ کر کے خرید شدہ اراضی میں ملا لی گئی۔ بخشی غلام محمد جو ریاست کے وزیر اعظم تھے، ان کی سرکاری حیثیت سے ناروا فایدہ اٹھا کر ان کے متعلقین نے یہ غاصبانہ قبضہ کیا تھا۔"

سرکاری وکیل نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا کنور رشی سنگھ نے ۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو پانچ رجسٹری شدہ بیع ناموں کے ذریعہ ۲۰ کنال ۱۷ مرلا اراضی بخشی بشیر احمد اور شمع میر کو پچیس ہزار میں فروخت

کی۔ یہ دونوں بخشی غلام محمد کے بیٹے اور بیٹی ہیں۔ شری رشی سنگھ نے اس اراضی سے ملحق ایک چھوٹا سا مکان بھی بنایا تھا، جو محکمہ جنگلات کی زمین پر ناجائز قبضے کا نتیجہ تھا۔ اس اراضی کی خریداری کے بعد بخشی غلام محمد نے لڈر رینج کے فارسٹر افسر مسٹر یاسین فاروقی کو ہدایت کی، کہ خرید شدہ زمین سے ملحق محکمہ جنگلات کی جو زمین ہے اسے گھیر دیا جائے بخشی غلام محمد نے خود ہی چوہدری کی نشان دہی کی، اور اسی کے مطابق وہ حصہ گھیر دیا گیا۔ اس طرح محکمہ جنگلات کی ۲۸ کنال ۵ مرلا اراضی کا خرید شدہ اراضی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ بخشی غلام محمد نے ۱۹۶۰ء میں پرانے مکان کی جگہ پر نئی عمارت تعمیر کرائی، اور ساتھ ہی باورچی خانہ، گئوسالہ اور گیریج بھی پی، ڈبلیو، ڈی کے ٹھیکے دار عبدالغنی بٹ کی معرفت بنوایا۔ یہ ملحقہ تعمیرات بھی محکمہ جنگلات ہی کی زمین پر کھڑی کی گئی تھیں۔ ۱۹۶۰ء کے اواخر میں، بخشی غلام محمد نے رینج افیسر عبدالرشید خاں کو ہدایت کی کہ جنگلات کی اراضی کی پرانی حد بندی کو گرا کر از سر نو اس کی حد بندی کی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا محکمہ جنگلات کی زمین کے علاوہ شری بلکے بہاری کی چار کنال اراضی بھی اسی لپیٹ میں آگئی اور اس پر بھی ناجائز قبضہ ہوگیا۔

سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس طرح بخشی غلام محمد نے ۳۲ کنال ۵ مرلا اراضی پر ناجائز قبضہ کیا، جس میں سے ۲۸ کنال ۵ مرلا اراضی محکمہ جنگلات تھی۔ اس کے ساتھ ہی

سرکاری وکیل نے کمیشن کے سامنے متعلقہ دستاویزیں پیش کیں. ان ہی میں محکمہ مال کے افسروں کی ایک رپورٹ بھی تھی، اور یہ اسی قطعہ اراضی سے متعلق تھی جو خریدی گئی تھی. اس رپورٹ کے مطابق اس زمین کا بیشتر حصہ ڈھلان پر اور صرف ایک مختصر سا حصہ ہموار زمین پر تھا۔

ان الزامات کے بارے میں مدعی علیہم کی طرف سے جو جوابات پیش کئے گئے تھے، ان پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے اس سے انکار کیا ہے کہ انھوں نے ناجائز قبضہ کیا تھا، اور یہ کہ حدبندی ان کی ہدایت سے نہیں کی گئی تھی، بلکہ پی، ڈبلو، ڈی والوں نے یہ چہار دیواری حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں اس وقت کھینچی تھی جب مرحوم وزیر اعظم نے نونہ ون کے بنگلے میں چند روز قیام کیا تھا۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ کسی بھی سرکاری ریکارڈ سے، بخشی غلام محمد کے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ پی، ڈبلو، ڈی اور پولیس کے محکمے اس امر سے قطعاً انکار کرتے ہیں کہ وزیر اعظم کی آمد کے موقع پر انھوں نے کسی قسم کی حفاظتی چہار دیواری تعمیر کی تھی، اور نہ ان محکموں نے اس کام کے لیے کوئی رقم ہی خرچ کی تھی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد، ان کے بیٹے اور بیٹی نے جو کہانی گڑھی ہے، ریکارڈس سے ان کی قطعاً تائید نہیں ہوتی۔ یہ ناجائز قبضہ سوچا سمجھا اور ارادی تھا۔

کمیشن نے بھی ۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو جائے وقوع کا معائنہ کیا۔

۵ر اگست ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۷ پر بحث شروع کی۔ اس الزام کی عبارت یہ تھی:

"شری متی اس، کے چٹرجی، زوجہ شری جے، سی، چٹرجی کا ایک مکان سنا دار (سری نگر) میں ۱۵۱،۴۲ مربع گز زمین پر تھا۔ یہ اراضی پٹے پر لی گئی تھی۔ شری متی چٹرجی کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی شری متی شیام رانی مکرجی اس پٹے کی تجدید کرانے میں ناکام رہیں۔ بالآخر مجبور ہو کر، ۱۹۵۴ء میں وکیل کی معرفت ایک درخواست دی کہ اس جائے داد کا پٹہ بخشی غلام نبی، برادر بخشی غلام محمد، کے نام منتقل کر دیا جائے۔ اس جائے داد کا بیع نامہ پانچ ہزار کی معمولی رقم پر، ۲۹ ر ماگھ ۲۰۱۱ (۱۹۵۴ء) کو ہوا"

اس الزام کی رام کہانی بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے تبلایا کہ شری جے، سی، چٹرجی جموں و کشمیر کے محکمہ آثار قدیمہ کے ریسرچ ڈپارٹمنٹ کے ڈائرکٹر کو سنا وار، (سری نگر) میں سو کنال ۱۹ مرلا زمین چالیس سال کے پٹے پر دی گئی تھی۔ آگے چل کر یہ پٹہ ان کی بیوی شری متی سلیل کماری چٹرجی کے نام منتقل ہوا۔ اس وقت کینٹونمنٹ بورڈ نے اس اراضی کا کچھ حصہ نکال لیا، اور اب شری متی چٹرجی کے پاس چالیس کنال ۹ مرلا

اراضی رہ گئی۔ یہ پٹہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء کو ختم ہونے والا تھا۔ چناں چہ ۳ر مئی ۱۹۴۹ء شری متی چٹرجی نے پٹے کی تجدید کے لیے محکمہ مال کے سکریٹری کو درخواست دی، جس نے درخواست کو کینٹونمنٹ بورڈ کے پاس بھیج دیا۔ اس سلسلے میں بورڈ کے پریسیڈنٹ کرنل کاک اور شری متی چٹرجی کے درمیان خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔ شری متی چٹرجی نے ان کو لکھا کہ چوں کہ ان کا گزارا صرف اسی اراضی پر ہے، اس لیے اس کی تجدید ان کے نقطہ نظر سے ضروری ہے۔ ۹ر جون ۱۹۵۰ء کو بورڈ نے پٹہ کی تجدید منظور کرلی، اور ۱۳ر جون ۱۹۵۱ء کو باضابطہ احکام بھی جاری کیے گئے، لیکن شری متی چٹرجی کو کینٹونمنٹ بورڈ نے اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہ دی۔ چناں چہ ۲۳ر نومبر ۱۹۵۱ء کو شری متی چٹرجی کے داماد مسٹر نریش ناتھ مکرجی نے پٹہ کی تجدید کے لیے بورڈ کے پریسیڈنٹ کرنل کاک کو پھر لکھا۔ بالآخر ۱۶ر نومبر ۱۹۵۳ء کو یہ اطلاع دی گئی کہ پٹہ کی تجدید بورڈ نے منظور کرلی ہے۔ لیکن اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ مسز چٹرجی کے داماد مسٹر نریش مکرجی نے بورڈ کو ۲۷ر جنوری ۱۹۵۳ء کو مسز چٹرجی کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ یہ پٹہ اب ان کی بیوی کے نام منتقل کیا جائے، کیوں کہ وہی ان کی تنہا وارث ہیں۔

یہ جائے داد، وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا، ۲۵ لاکھ کی قیمت کی تھی۔ اس سے بخشی غلام محمد کو کچھ دل چسپی پیدا ہوئی، اور اس کا ذکر انھوں نے کرنل کاک سے کیا۔ چناں چہ بخشی غلام محمد کو اس کا معائنہ

کرانے کے لئے کرنل کاک اپنے ساتھ لے بھی گئے۔ اس وقت بخشی غلام محمد کے ہم راہ ان کے بھائی حاجی غلام نبی اور ان کے پرسنل اسسٹنٹ آر، ان وار کو بھی تھے۔ بخشی غلام محمد نے اس جائے داد کو پسند کیا اور کرنل کاک کو ہدایت کی اس کا پٹہ ان کے بھائی حاجی غلام نبی کے نام منتقل کرنے کا وہ انتظام کریں۔ کرنل کاک سے انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان کے بھائی کے نام اس پٹے کے منتقل ہونے میں اگر کچھ دشواری ہوئی تو اسے دور کرنے میں ان کی مدد کریں گے۔

اس دوران میں مسٹر چٹرجی کی بیٹی شیام رانی مکرجی نے وراثت کا سارٹی فیکٹ کلکتے سے حاصل کرلیا، جسے ان کے شوہر مسٹر مکرجی نے محمد بھری نگر آکر بورڈ کے پریسیڈنٹ کرنل کاک کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ یہ پٹہ جلد سے جلد ان کی بیوی کے نام منتقل کردیا جائے۔ کرنل کاک جو بخشی غلام محمد کے زیر اثر کام کر رہے تھے، اس درخواست کے جواب میں مسٹر مکرجی کو بتلایا کہ اب اس پٹے کا منتقل ہونا ممکن نہ ہوگا اور انھیں عمارت کا معاوضہ ہی مل سکے گا، اس لیے بہتر ہے کہ وہ خود ہی اسے فروخت کردیں۔ اس سلسلے میں کرنل کاک نے مسٹر مکرجی کی ہر ممکن مدد کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ کرنل کاک نے یہ صورت حال کچھ اس طرح مسٹر مکرجی کے سامنے رکھی کہ ان کو سوا اس کے اور کوئی چارہ نہ نظر آیا کہ کرنل کاک کا مشورہ قبول کرلیا جائے۔ چناں چہ کلکتہ لوٹ کر مسٹر مکرجی نے کرنل کاک کے مشورے کے مطابق، ان کے ایک قریبی عزیز

شری مدھو سودھن کاک کے نام وکالت نامہ بھی بھیج دیا۔

کرنل کاک نے مسٹر مکرجی کو بتلایا تھا کہ اس جائے داد کے پچیس ہزار تک انھیں مل جائیں گے، لیکن آگے چل کر یہ رقم بھی انھوں نے اس بہانے انیس ہزار کردی کہ بازار بہت مندا ہے۔ اسی دوران میں وراثت کے سرٹی فیکٹ کے مطابق کینٹونمنٹ بورڈ کے دفتر نے اس جائے داد کو شیام رانی مکرجی کے نام منتقل کرنے کی کارروائی شروع کردی، بلکہ صیغۂ مال کے رجسٹروں میں ان کے نام کا اندراج ہو بھی گیا۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ کینٹونمنٹ کے ریونیو افسر نے اس کارروائی کی تکمیل کے لیے جب کاغذات کرنل کاک کے سامنے پیش کیے تو انھوں نے اس کارروائی کو اس بنا پر ملتوی رکھنے کی ہدایت کی کہ بخشی غلام محمد اس جائے داد کو خریدنا چاہتے ہیں۔

کرنل کاک نے شری مکرجی کو اس دوران میں لکھا کہ وہ ایک دوسرا وکالت نامہ کپٹن رینا کے نام بھیج دیں۔ یہ بھی کرنل کاک کے قریبی عزیز ہیں۔ مسٹر مکرجی نے ۱۷ر مارچ ۱۹۵۴ء کو اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ اس وکالت نامے کی بنا پر کپٹن رینا نے کینٹونمنٹ بورڈ کو ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو درخواست دی کہ متعلقہ جائے داد بخشی غلام محمد کے بھائی حاجی غلام نبی کے ہاتھ فروخت کی جا رہی ہے، اس لیے اس کا پٹہ ان کے نام منتقل کیا کیا جائے۔ اس درخواست پر کارروائی کرتے ہوئے کینٹونمنٹ بورڈ نے فوجی ہڈکوارٹر (HQ 21 CZ) سے تحریری سفارش کی کہ صدر ریاست

سے اس پٹے کی تجدید شری متی سلیل کماری چٹرجی کے نام کرائی جائے ، اس کے بعد یہ پٹہ ان کی بیٹی شیام رانی مکرجی کے نام منتقل کرایا جائے اور پھر اسے حاجی غلام نبی کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت مسز مکرجی کے لیے حاصل کی جائے ۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ اس سفارش پر فوجی ہڈکوارٹر (HQ 21 CZ.) نے کینٹونمنٹ بورڈ سے سوال کیا کہ یہ پٹہ ایک ایسے شخص کو کیوں منتقل کیا جا رہا ہے ، جس کا اس خان دان سے کوئی تعلق نہیں ہے ، اور یہ کہ خود بورڈ ہی جائے داد کا معاوضہ دے کر کیوں اس اراضی کو حاصل نہیں کرتا ؟ اس کے جواب میں کرنل کاک نے حاجی غلام نبی کے حق میں پٹہ منتقل کرنے کی تاویلیں کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ اس جائے داد کا معاوضہ ہزاروں روپے ہوگا جو بورڈ ادا نہ کر سکے گا ۔

وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ یہ تاویل حقیقت کو چھپانے کے مرادف ہے ۔ کیوں کہ بورڈ کے پاس خاصی رقم موجود تھی ، جس سے یہ جائے داد اپنے استعمال کے لیے بورڈ خرید سکتا تھا ۔

سرکاری وکیل نے شری ان ، ان ، مکرجی کے اس بیان حلفی کی طرف بھی کمیشن کو توجہ دلائی ، جس میں درج ہے کہ کرنل کاک نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اس جائے داد کا معاوضہ ۲۵ ہزار مل جائے گا ، پھر انھوں نے لکھا کہ ۱۵ ہزار سے زیادہ نہ مل سکیں گے ۔ لیکن سرکاری وکیل

نے بتلایا کہ مسٹر مکرجی کو بالآخر انیس ہزار کی رقم ملی، اگرچہ دستاویز میں صرف پانچ ہزار ہی کی رقم دکھلائی گئی ہے۔ اس جائے داد کی قیمت، سرکاری وکیل نے بتلایا، اس وقت کے بھاؤ کے مطابق ۲،۵ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ صرف مکان ہی کی قیمت کا تخمینہ، ۵۵ ہزار ہے۔

۳

۱۶ ر اگست ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۵ پر بحث شروع کی، جو یہ تھا:

"(الف) نادرن انڈیا ٹائلز کارپوریشن جو سری نگر میں سکریٹریٹ کی عمارت کے لیے ٹائلز فراہم کر رہی تھی مندرجہ ذیل اُن عمارتوں کے لیے بھی ٹائلز مہیا کیے، جن سے بخشی غلام محمد کا مفاد وابستہ تھا:

"(i) اگست ۱۹۶۱ء میں فرڈیل موٹر ورک شاپ، سری نگر، کے لیے ۱۶۰۰ ٹائلز،

"(ii) اگست ۱۹۶۲ء میں اسی عمارت کے لیے مزید ۳۰۰۰ ٹائلز،

"(iii) فروری ۱۹۶۲ء میں بخشی غلام محمد کے بیٹے اور بیٹی کے پہل گام والے مکان کے لیے، ۱۵۰۰ ٹائلز،

"ان تمام ٹائلوں کی مجموعی قیمت ۱۰،۳۶۵ روپے

۲۶ پیسے ہوتی ہے، یہ رقم ادا نہیں کی گئی۔

"(ب) ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد نے ریجنل انجینئرنگ کالج سری نگر، کے بورڈ اف گورنرس کے صدر کی حیثیت سے ناردرن انڈیا ٹائیلز کارپوریشن کو کالج ہاسٹل کی عمارت کے لیے نشکو ٹائیلز فراہم کرنے کا، بلا لحاظ قاعدہ قانون کے، ٹھیکہ دے دیا۔ یعنی

(i) اس ٹھیکے کے لئے ٹنڈر نہیں مانگے گئے تھے۔

(ii) اس ہاسٹل کے فرش کے لیے ایک لاکھ کی لاگت سے سیمنٹ کا فرش بننا طے پایا تھا، جس کی منظوری گورنمنٹ اف انڈیا نے بھی دی تھی، لیکن اس کے بجائے اس میں نشکو ٹائیلز استعمال کئے گئے، جس پر دو لاکھ خرچ آیا۔"

سرکاری وکیل نے کمیشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ سری نگر کے سکریٹریٹ کی عمارت کی تعمیر کا کام ۱۹۶۰ء میں ایشین بلڈنگ کارپوریشن نے شروع کیا۔ ۱۹۶۱ء میں ناردرن انڈیا ٹائیلز کارپوریشن، نئی دہلی، کو اس عمارت میں ٹائیلز کا فرش بنانے کا ٹھیکہ ۷۷۶،۳۷،۳ روپے ۳۵ پیسے دیدیا گیا۔ ایشین بلڈنگ کارپوریشن اور ناردرن انڈیا ٹائیلز کارپوریشن

دونوں کے مالکان ایک ہی تھے۔ ننگو نے فرڈیل موٹرس کی عمارت کا فرش بنانے کے لیے بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد کو اگست ۱۹۶۱ء میں سولہ سو ٹایلز دیئے۔ آگے چل کر فروری اور اگست ۱۹۶۲ء میں اسی فرم نے بخشی بشیر احمد ہی کو تین ہزار اور پندرہ سو ٹایلز فرڈیل موٹرس کی عمارت اور ان کے نونہ و نن کے مکان (پہل گام) کے لیے بالترتیب دیئے۔ ان سب کی مجموعی قیمت ۱۰،۳۶۵ روپے پچیس پیسے ہوتی ہے، لیکن یہ ادا نہیں کی گئی۔ بخشی غلام محمد نے اس کے معاوضے میں ننگو کو سری نگر کے انجینیر کالج کے ہاسٹل کا فرش بنانے کا ٹھیکہ بغیر ٹنڈر طلب کئے ہوئے دے دیا۔ بلکہ یہ ٹھیکہ دینے کے لیے ہاسٹل کے نقشے میں تبدیلی کی بھی ضرورت پیش آئی۔

اس الزام کے سلسلے کی دستاویزیں پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ فرڈیل موٹرس کی عمارت کے لیے جو سولہ سو ٹایلز ننگو نے دئے تھے، اس کا ایک بل (نمبری ۱۶۳۳، مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء) بھی بخشی بشیر احمد کو کمپنی نے بھیجا، جو ۴۰،۴ا روپے ۵ پیسے کا تھا۔ یہ بل بشیر احمد نے کمپنی کو ادا نہیں کیا، اور کمپنی نے بھی اس کی وصول یابی کی کوئی پیروی نہیں کی۔ بخشی بشیر احمد کو جو تین ہزار ٹایلز مہیا کئے گئے تھے، کمپنی نے ان کی قیمت سری نگر کے ڈویزنل انجینیر سے وصول کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ بخشی غلام محمد کے پہل گام کے

مکان کے لیے ٹنکو نے جو پندرہ سو ٹائیلز فراہم کیے تھے، اس کے سلسلے میں فرم کے ایک شریک دار نے کمپنی کے اکاؤنٹنٹ شری برج موہن سے ایشین بلڈنگ کارپوریشن کے دفتر پٹھان کوٹ کو لکھوایا تھا کہ پندرہ سو ٹائیلز پہلگام میں بخشی محمد کے زیر تعمیر مکان میں پہنچادی جائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ ان کی رسید مقامی پی، ڈبلیو، ڈی کے انجینیر سے لے کر بھیج دی جائے۔ یہ پندرہ سو ٹائیلز جو بخشی غلام محمد کے مکان پر پہنچائی گئیں، دراصل ان ۴۸۰۰ ٹائیلز میں سے تھیں، جو فرم نے پہلگام کے ٹورسٹ سنٹر کی فرش سازی کے لیے مہیا کی تھیں۔ چناں چہ ان کا کوئی الگ بل بھی بخشی غلام محمد یا ان کے بیٹے کے نام نہیں بنایا گیا، بلکہ ۴۸۰۰ ٹائیلز کا مجموعی بل بنادیا گیا، جو ۳۰۵،۷ روپے ۵۴ پیسے کا تھا اور جسے نت ناگ کے ڈویژنل انجینیر نے ادا کیا۔ البتہ صرف ٹائیلز کے لگانے کا ایک بل جو ۶۹۶ روپے ۷۶ پیسے کا تھا، ۳۱ اگست ۱۹۶۲ء کو بخشی بشیر احمد کو بھیجا گیا۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے وہ تحریری جوابات بھی کمیشن کو دکھلائے جو اس الزام کے سلسلے میں بخشی غلام محمد، بخشی بشیر احمد اور شمع میر، زوجہ میر نصراللہ نے پیش کیے تھے۔ بخشی غلام محمد نے لکھا تھا کہ سری نگر کے ریجنل انجینیرنگ کالج کے سلسلے میں اگر کوئی بے جا کارروائی ہوئی بھی ہو تو حکومت جموں وکشمیر کا مقرر کردہ کمیشن اس کی جانچ کرنے کا مجاز نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ کالج سنٹرل ایکٹ کے تحت قایم ہوئے ہیں اور وہ یونین گورنمنٹ

کے زیر انتظام ہیں۔ فرڈ پل موٹرس کو جو ٹائیلز فر بخشی غلام
نے ان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس سے بھی انکار کیا کہ پہل گام
میں ان کا کوئی مکان ہے۔

بخشی بشیر احمد نے اپنے جواب میں کہا ہے کہ نٹکو نے سولہ سو ٹائیلز کا بل
ان کو غلط بھیجا تھا، کیوں کہ پہل گام یا سری نگر کے لیے ٹائیلز مہیا کرنے کے
آرڈر سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ دراصل ان عمارتوں کی تعمیر کا کام
عبدالغنی بٹ ٹھیکے دار کے سپرد کیا گیا تھا، جنھیں ۱۵ / اپریل ۱۹۶۳ء
کو دس ہزار کی رقم پہل گام اور سری نگر کی عمارتوں میں ٹائیلز کا فرش کرنے
کے لیے دی گئی تھی۔ بخشی بشیر احمد نے اپنی صفائی میں یہ بھی کہا تھا کہ اسی سلسلے
میں نٹکو کمپنی کے بل کی ادائیگی کے سلسلے میں کمپنی سے ان کی خط و کتابت بھی
ہوئی تھی، جو انھوں نے بہ طور ثبوت کے پیش کی۔ مسماۃ شمع میر نے اپنی
صفائی پیش کرتے ہوئے بخشی بشیر احمد کے جواب کی پیروی کی تھی، اور انھوں
نے اس جواب پر کوئی اضافہ نہیں کیا تھا۔

سرکاری وکیل نے مدعیٰ علیہم کی صفائی کے بیانات پر بحث کرتے ہوئے
کہا کہ بخشی غلام محمد، بخشی بشیر احمد اور مسمات شمع میر نے جو صفائی پیش کی ہے،
اس کی مزید تردید اس جواب صفائی سے ہوتی ہے جو حکومت کی طرف سے پیش
کی گئی ہے۔ کمیشن کو خصوصی توجہ دلاتے ہوئے وکیل نے کہا کہ مدعیٰ علیہم نے
اس سلسلے میں جو خطوط بہ طور ثبوت پیش کیے ہیں، ان کو کوئی وقعت نہیں
دی جا سکتی کیوں کہ ان کی تائید میں بیان حلفی منسلک نہیں کیے گئے ہیں

نیز اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جن تاریخوں کے یہ خطوط بتلائے جاتے ہیں واقعی ان ہی تاریخوں میں یہ لکھے بھی گئے تھے۔

کمیشن نے اس بحث کو سننے کے بعد وکیل سے سوال کیا کہ گورنمنٹ کیا یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ پندرہ سو ٹائیلز کی قیمت سرکاری مد سے ادا کی گئی تھی؟ اس کے جواب میں وکیل نے کہا کہ اس الزام کے سلسلے میں جو دستاویزیں حکومت کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویژنل انجنیئر اننت ناگ نے چار ہزار آٹھ سو ٹائیلز کی قیمت ۷،۳۰۵ روپے ۵۴ پیسے ادا کی تھی۔ اسی رقم میں ان پندرہ سو ٹائیلوں کی قیمت بھی شامل ہے، جو بخشی غلام محمد کے پہل گام والے مکان کے لیے دئے گئے تھے۔ کمیشن نے یہ سن کر کہا کہ اگر ایسا ہے تو ٹٹکو نے ایک نجی مکان کے لیے کام کر کے اس کی قیمت سرکاری مد سے وصول کی ہے، اور اس طرح سے ٹٹکو سرکاری روپے کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کی مرتکب ہوئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ٹٹکو کو کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کے لیے طلب کیا جائے۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ٹٹکو کو طلب کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تین ہزار اور سولہ سو ٹائیلوں کی قیمت بھی بخشی بشیر احمد نے ٹٹکو کو ادا نہیں کی۔ اس سلسلے میں ٹٹکو نے سولہ سو ٹائیلوں کا بل بخشی بشیر احمد کو بھیجا تھا، جس کا اندراج ٹٹکو کے رجسٹر میں بھی موجود ہے۔ لیکن یہ بل نہ تو ادا کیا گیا اور نہ ٹٹکو ہی نے اس کی

وصولی کے لیے کوئی پیروی کی۔ رہا تین ہزار ٹائلیوں کا معاملہ اس سلسلے میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سری نگر کے ڈویژنل انجینیر تعمیرات سے اس کا بل وصول کرنے کی کوشش کی گئی، جو ناکام رہی۔

انجینیرنگ کالج کے ہاسٹل کا فرش بنانے کے سلسلے میں سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد کے ایما پر یہ قدم اٹھایا گیا تھا، جو کالج کے بورڈ آف گورنرس کے چیرمین تھے۔ فرش بنانے کی تجویز میں تبدیلی کے سلسلے میں آگے چل کر کالج کی تعمیرات کمیٹی کے ممبروں سے بھی اگرچہ منظوری لے لی گئی تھی، لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کالج کے پرنسپل نے اس تبدیلی پر شدید اعتراض کیا اور اس سلسلے میں متعدد خطوط بھی لکھے۔ لیکن اس کے باوجود بخشی غلام محمد نے نٹکو کو کام جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیمنٹ کا فرش بنانے کے لیے جو رقم منظور کی گئی تھی، اس سے ایک لاکھ روپیہ زیادہ خرچ ہو گیا۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ سری نگر کی آب و ہوا کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔ ناقابل قبول ہے۔ یہ سن کر کمیشن نے سوال کیا کہ ملک میں کچھ اور انجینیرنگ کالج ایسے ہیں یا نہیں جہاں سری نگر جیسی آب و ہوا ہے؟ اور اگر ہیں تو پھر وہاں بھی ٹائل کے فرش بنائے گئے ہیں یا نہیں؟ سرکاری وکیل نے کہا کہ اس سلسلے میں تفتیش کرنے کے بعد کمیشن کو اس سے مطلع کرے گا۔

۲۳ر نومبر ۱۹۶۶ء کو نٹکو کمپنی کی طرف سے مسٹر سی۔ رائے ایڈوکیٹ کمیشن کے سامنے حاضر ہوئے۔ انھوں نے اس کی تردید کی کہ پندرہ سو ٹائلیز

جو بخشی غلام محمد کے لیے فراہم کئے گئے تھے ان کی قیمت سرکاری مد سے ادا نہیں کی گئی تھی۔ اور ٹائیل جو ٹھکو نے فراہم کیے تھے، ان کی بابت وکیل نے تسلیم کیا کہ اب تک ان کی قیمت باقی ہے۔

ٹھکو کے وکیل نے بحث کے دوران کہا کہ تین ہزار اور سوا سو ٹائیلز جو دو بار میں بخشی بشیر احمد کو دیئے گئے تھے، وہ بہ طور تحفے کے تھے۔ اس سلسلے میں اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ کمپنی کے لیے اپنا تجارتی مفاد پیش نظر رکھنا ضروری تھا، اور بخشی غلام محمد کشمیر کے "مرد آہن" تھے، اس لیے کمپنی کو یہ تحفہ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۸ پہ بحث شروع کی، جو یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کا ناجائز فایدہ اٹھا کر ایک فوجی ٹھیکے دار مسٹر پی، اے، روم کو ترغیب دی کہ بخشی عبدالمجید کو اپنے کاروبار میں وہ حصہ دار بنائیں۔ اور آگے چل کر ان کو (پی، اے، روم) کو شرکت سے بھی دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا"

اس الزام پہ بحث شروع کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ پی، اے، روم ولد خان صاحب الطاف حسین روم ۱۹۳۹ء میں پشاور کی میسرز خیبر آٹو موبائلز کے حصہ دار تھے۔ اسی کمپنی کی ایک ایجنسی آگے چل کر سری نگر میں بھی قائم ہوئی، اور مسٹر ایچ، اس، رینا کی شرکت میں

شری رُومر اس کے مینیجنگ پارٹنر بن گئے پاکستانی حملے کے بعد ریاست جموں کشمیر میں میوہ کے کاروبار کو شدید دھکا لگا، اور اس ساتھ ہی اس کمپنی کا بھی خاتمہ ہو گیا

فروری ۱۹۴۸ء میں مسٹر رومر نے فوجی سپلائی کی ٹھیکے داری شروع کی۔ جموں کے شری ٹی سی نندا نے، جو خود بھی یہی کام کرتے تھے، مسٹر رومر سے کہا کہ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالمجید کو بھی فوجی سپلائی کی ٹھیکے داری سے دلچسپی ہے، اور وہ انھیں اپنا شریک دار بنا لیں۔

۱۹۴۸ء کی گرمیوں کے اوائل میں بخشی عبدالمجید ایک دن مسٹر رومر کو بخشی غلام محمد کے گھر لے گئے، جو اس وقت ریاست کے نائب وزیر اعظم تھے شرکت کے مسئلہ پر گفتگو کے دوران مسٹر رومر نے بخشی عبدالمجید کو اپنا شریک دار بنانے پر آمادگی اس شرط پر ظاہر کی کہ بخشی مجید اس کاروبار میں خاصی رقم لگائیں۔ لیکن بخشی مجید کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ رقم لگانے کی بات پر، بخشی غلام محمد نے، یہ تجویز پیش کی کہ اس کاروبار کے چلانے میں وہ ان کی ہر ممکن امداد کریں گے۔ مسٹر رومر اس پر تیار نہیں ہوئے۔

چند روز کے بعد بخشی غلام محمد نے مسٹر رومر کو پھر بلوایا، اور بخشی مجید کی موجودگی میں دوبارہ مسٹر رومر کو یقین دلایا کہ اگر انھوں نے بخشی مجید کو اپنا شریک دار بنایا تو وہ ان کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔ اور ان کی کوشش ہوگی کہ یہ کاروبار مضبوط بنیادوں پر قایم ہو جائے۔ انھوں نے اس کا وعدہ کیا کہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر انھیں فوجی ٹھیکے دلائیں گے۔ لیکن اس بار بھی مسٹر رومر اپنی شرط پر اڑے رہے۔ اس کے باوجود بخشی غلام محمد اپنی تجویز پر اصرار کرتے رہے اور اپنے وعدوں کو دُہراتے رہے۔

بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت، بخشی مجید سے بخشی غلام محمد کی رشتہ داری، اور بخشی خان دان کی مشترکہ تجارت میں بخشی غلام محمد کی ذاتی دل چسپی کے پیش نظر، مسٹر رومر کو بالآخر بخشی مجید کو اپنے کاروبار میں حصہ دار بنانے پر مجبوراً راغب ہونا ہی پڑا۔ اس کے بعد بخشی غلام محمد کی تجویز پر یہ کاروبار ایک نئی فرم فیروز اینڈ کمپنی کے نام سے چلانا طے پایا اور ساتھ ہی پرانی فرم پی، اے رومر کمپنی کو بھی بخشی عبدالمجید کی شرکت میں فوجی سپلائی کی ٹھیکے داری کا کام جاری رکھنا تھا۔ ان میں سے کسی فرم میں بھی بخشی مجید نے کوئی روپیہ نہیں لگایا۔ ان کا کام دونوں فرموں کا حساب کتاب رکھنا اور اشیا کی فراہمی کے سلسلے میں نیچے کے ٹھیکہ داروں کا انتخاب کرنا تھا۔ کاروبار کا سارا انتظامی حصہ مسٹر رومر ہی کے ذمے تھا لیکن حصہ داری کے سلسلے میں کوئی باضابطہ معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ ان مراحل کے طے ہونے کے بعد کاروبار کے چلانے میں دوسرے ٹھیکے داروں سے مقابلے کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ اس میدان میں حاجی محمد وانی اور شیام لال بھان بھی تھے، جن کی وجہ سے فیروز کمپنی کو ٹھیکے حاصل کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ بخشی غلام محمد کے علم میں جب یہ بات لائی گئی تو انھوں نے اس مقابلے کو ختم کرنے کے لیے ٹھیکے داروں کی ایک میٹنگ اپنے گھر پر بلائی، اور یہ طے پایا کہ فوجی ٹھیکے حاصل کرنے کے لیے سب لوگ مل کر کام کریں۔ چناں چہ تینوں ٹھیکے داروں کی شرکت میں ایک کمپنی قایم ہوئی، اور

۲۶ / اگست ۱۹۴۸ء کو باضابطہ ایک معاہدہ بھی ہوگیا۔ لیکن یہ شرکت زیادہ دنوں تک چل نہ سکی، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ بخشی مجید نے منافع ہی کا نہیں بلکہ اصل کا بھی بڑا حصہ اپنی جیب میں ڈالنا شروع کر دیا۔ چناں حاجی محمد دانی اور شام لال دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ مسٹر رومر کا خاصا بڑا سرمایہ چوں کہ اس میں پھنس چکا تھا اس لیے وہ اس وقت تک الگ نہیں ہو سکتے تھے، جب تک کہ حساب کتاب صاف نہ ہو۔

بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ فیروز کمپنی کی بنیادیں مضبوط ہونے کے بعد بخشی مجید نے مسٹر رومر کو پریشان کرنے اور دھتا بتلانے کی ترکیبیں شروع کیں۔ انھوں نے حساب کتاب کے کھاتوں تک مسٹر رومر کی رسائی بند کر دی، اور ان کے انکم ٹیکس کے معاملات طے کرنے کے لیے بھی کھاتے انھیں نہ دکھلائے۔ اس سلسلے میں مسٹر رومر کو نیچے کی عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ تک کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ انھیں جو جسمانی اذیتیں اور مالی نقصانات ہو رہے تھے ان کا دکھڑا بخشی غلام محمد سے بھی وہ روئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب پورے کاروبار پر بخشی مجید کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس وقت تک اگرچہ قانونی طور پر معاہدہ منسوخ نہیں ہوا تھا مگر مسٹر رومر کو فیروز کمپنی یا پی، اے، رومر کمپنی کی آمدنی، بلکہ اصل سے بھی ایک حبہ نہیں مل رہا تھا

۲۴ / اگست ۱۹۴۹ء کو بخشی مجید نے ایک اور قدم اٹھایا، اور انھوں نے رجسٹرار جوائنٹ اسٹاک کمپنیز کو اطلاع دی کہ فیروز کمپنی توڑ دی گئی ہے، اور ۲۵ / فروری ۱۹۴۹ء سے مسٹر رومر کی شرکت ختم ہو چکی ہے

اور اب ان کی جگہ پر ۱۵ر جون ۱۹۴۹ء سے بخشی محمد یوسف (بخشی غلام محمد کے بھتیجے) حصہ دار ہو گئے ہیں۔ اس کے فوراً ہی بعد بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد اور بیٹی مسماۃ شمع میر کو بھی حصہ دار بنا لیا گیا۔ اس طرح سے بخشی خاندان کا اس کمپنی پر پورا اقتدار قایم ہو گیا اور مسٹر روم کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا۔

بخشی غلام محمد اور بخشی مجید دونوں نے سرکاری بیانات کی صحت سے انکار کر دیا۔ سرکاری وکیل نے بیان صفائی پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ بخشی مجید کو تردیدی شہادت پیش کرنی چاہیے تھی، لیکن انھوں نے اپنے کلرک کا بیان حلفی پیش کرنے ہی پر اکتفا کی ہے۔ جس کی تائید کسی دستاویز سے نہیں ہوتی۔

۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۱۲ پر بحث شروع کی:

"سری نگر کے تین سینما گھروں میں سے دو، ۱۹۵۰ء میں بخشی عبدالمجید کی ملک بن گئے۔ اس کے بعد سری نگر میں کسی نئے سینما گھر کے کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ مقابلے کی صورت نہ پیدا ہو۔ اس سلسلے میں بخشی غلام محمد کے بھائی کو منفعت پہنچانے کے لیے ان کی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال

کر کے ناروا فائدہ اٹھایا گیا۔"

بحث کے آغاز میں سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ ۱۹۴۵ء میں سری نگر میں صرف تین سینما ہال تھے۔ ریگل سینما، پلاڈیم سینما اور امریش سینما ۱۹۴۶ء میں جے ہند اور ریگینا کے نام سے دو اور سینما ہال بن گئے۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے ان دونوں سینما گھروں کے مالکان فلم دکھانے کا لائسنس حاصل کرنے کی کارروائی نہیں کر سکے۔ حالات کے اعتدال پر آنے کے بعد لائسنس کے لیے درخواست دی گئی، جو منظور نہیں ہوئی سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ یکم دسمبر ۱۹۵۰ء کو ریگل اور امریش سینما گھر بخشی عبدالمجید نے خرید لئے۔ نئے سینما گھروں نے لائسنس حاصل کرنے دوبارہ کوشش شروع کی۔ سریندر سنگھ جو دونوں نئے سینما گھروں کے مالک تھے۔ اس سلسلے میں بخشی غلام محمد سے بھی ملے، جو اس وقت نائب وزیر اعظم تھے، لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد انھوں نے متعدد درخواستیں بھی دیں، لیکن چوں کہ بخشی غلام محمد فلمی کاروبار میں مقابلے کی صورت پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے، جس سے ان کے بھائی کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا، اسی لیے دونوں نئے سینما ہال میں سے کسی کو لائسنس نہ مل سکا۔

بالآخر صاف جواب دیتے ہوئے بخشی غلام محمد نے، جو اس وقت ٹرانسپورٹ منسٹر بھی تھے، یہ تجویز پیش کی کہ ریگینا ہال کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ اپنے استعمال کے لئے خرید لے۔ سریندر سنگھ جو ہال

بنوانے کے سلسلے میں خاصے زیر بار ہونے کے علاوہ لائسنس حاصل کرنے کی کوششوں میں ناکام ہو کر مایوس بھی ہو چکے تھے، بخشی غلام محمد کی تجویز قبول کر لی۔ ایک لاکھ دس ہزار روپے ریگلینا ہال کی قیمت طے پائی اور ۷ر جنوری ۱۹۵۳ء کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے اپنی "دفتری ضروریات کے لیے" رجسٹری کے ذریعے اسے خرید لیا۔

سرکاری وکیل نے اس سلسلے میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ سینما ہال "دفتری ضروریات کے لیے" کبھی بھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ چناں چہ آگے چل کر اس میں ترمیم و اضافہ کرنا پڑا اور اس سلسلے میں مزید ساٹھ ہزار ایک سو چالیس روپیہ خرچ ہو گیا۔ ہال کی خریداری اور ترمیم و اضافے پر جو رقم خرچ ہوئی، اس سے کہیں کم میں ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے موزوں عمارت حاصل کی جا سکتی تھی۔ سرکاری وکیل نے بخشی غلام کے اس فعل پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہال تو صرف اس ضرورت کے تحت خریدا گیا تھا کہ سینما کے کاروبار میں مقابلہ نہ ہونے پائے، تاکہ ان کے بھائی کو فایدہ پہونچے۔

جے ہند سینما کے معاملے کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ سینما ہال کے مالکوں نے ۱۹۴۸ء میں لائسنس کے لیے درخواست دی جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ۱۹۴۹ء میں بخشی غلام محمد کے بھائی

بخشی عبدالمجید نے جے ہند سینما کے ایک حصہ دار شری گوپال کرشن کی معرفت دوسرے مالکان کو یہ پیش کش کی کہ جے ہند سینما کی عمارت ان کے ہاتھ فروخت کردی جائے یا اگر ان کو بھی اس کا حصہ دار بنا لیا جائے، تو وہ لائسنس حاصل کرلیں گے۔ بلکہ اسی گفت وشنید کی بنا پر بخشی مجید نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۹ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو لائسنس کے لیے درخواست بھی دے دی، جس کا انھیں کوئی حق نہیں تھا۔ بہر کیف چوں کہ جے ہند سینما ہال کے مالکان نے یہ تجویز قبول ہی نہیں کی اس لیے لائسنس کا قصہ ہی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد جے ہند سینما ہال کے مالکان درخواستوں پر درخواستیں دیتے رہے، اور بار بار بخشی غلام محمد کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

سرکاری وکیل نے اس سلسلے میں جو دستاویزیں پیش کیں ان میں ڈپٹی ہوم منسٹر کا ایک خط بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے نام تھا۔ اس خط کے ساتھ مالکان سینما ہال کی ایک درخواست بھی منسلک تھی، جو وزیر اعظم کے نام تھی، اس خط میں کہا گیا تھا کہ لائسنس منظور کرنے کے سلسلے میں اگر کوئی شدید سبب مانع نہ ہو تو لائسنس دے دیا جائے۔ لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ سرکاری وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ اس وقت سری نگر کے، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر نصراللہ تھے، جو بخشی غلام محمد کے داماد ہیں۔

بالآخر بخشی غلام محمد نے جے ہند سینما کے لیے لائسنس جاری کرنے سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے، مالکان سینما ہال کے سامنے بھی یہی تجویز

پیش کی کہ اگر وہ چاہیں تو عمارت کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے ہاتھ فروخت کردیں۔ اس تجویز کو قبول کرنے کے علاوہ مالکان جے ہند سینما کے سامنے اب کوئی اور راہ نہیں تھی، کیوں کہ جہاں تک لائسنس حاصل کرنے کا تعلق تھا، قطعاً ناکام ہونے کے بعد وہ بھی یک سر مایوس ہو چکے تھے۔ چناں چہ انھوں نے اس جابرانہ سودے کو قبول کرلیا اور ڈیڑھ لاکھ روپے کے عوض جے ہند سینما ہال کی عمارت، ۲۹ر نومبر ۱۹۶۱ئ کو فروخت کردی۔ اس سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کی رقم کا تعین بھی من مانی تھا اور یہ رقم بہت کم تھی، کیوں کہ اس کی تعمیر ہی پر دو لاکھ کی لاگت لگی تھی۔

اس عمارت کی خریداری کے وقت حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے لیے جو تجویز مرتب کی گئی تھی اس میں لکھا گیا تھا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو ڈسٹرکٹ رورل بکنگ آفس کے لیے اس عمارت کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن، سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو کبھی بھی اس عمارت کو اپنے استعمال میں لانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ چناں چہ آگے چل کر کوئلے کا گودام بنانے کے لیے جنگلات کے محکمے کو یہ عمارت دے دی گئی۔

اسی سلسلے میں سرکاری وکیل نے اکاؤنٹنٹ جنرل کے اس اعتراض کی طرف کمیشن کو توجہ دلائی جس میں کہا گیا تھا کہ ایک ایسی عمارت کی خریداری میں بلاوجہ سرکاری رقم پھنسائی گئی ہے، جو اس مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں ہوئی، جس کے لئے خریدی گئی تھی۔ اس اعتراض کے جواب میں

ٹرانسپورٹ کمشنر نے بھی اس سودے کو حق بہ جانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تسلیم کیا تھا کہ یہ عمارت چوں کہ نشیب میں ہے، اس لیے اسے قابل استعمال بنانے میں مزید ڈیڑھ لاکھ کا خرچ ہے۔ اکاؤنٹنٹ جنرل اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور انھوں نے اسے قابل قبول نہ سمجھا۔ سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ان دونوں سینما گھروں کو لائسنس نہ دینے اور ان کو بلا ضرورت ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے خریدنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ بخشی غلام محمد فلمی کاروبار میں مقابلے کے امکان کو ختم کر کے اپنے بھائی کی فلمی تجارت کو فروغ دینے کے خواہش مند تھے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنے سرکاری منصب کو ناجائز طور پر استعمال کیا۔ اسی سلسلے میں سرکاری وکیل نے بتلایا کہ جے ہند سینما کی اسی عمارت کو موجودہ حکومت نے ٹھیکے پر دے دیا ہے اور اب وہ نیلم سینما کے نام سے چل رہا ہے۔

یکم ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے حسب ذیل الزام نمبر ۱۸ پر بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کا ناجائز استعمال کر کے نیشنل ڈفنس فنڈ کے عطیات کی رقموں کو خورد برد کیا اور اس کا صرف ایک حصہ مرکزی فنڈ کو بھیجا۔"

سرکاری وکیل نے کمیشن کو تبلایا کہ ۱۹۶۲ء کی نیشنل ایمرجنسی کے دوران ایک سرکاری حکم کے تحت ریاست جموں و کشمیر میں ایک سنٹرل ڈفنس کمیٹی قایم کی گئی تھی، بخشی غلام محمد اس کے صدر اور ان کے پرائیوٹ سکریٹری اس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ پرائم منسٹر کے پرائیوٹ آفس کے اکاؤنٹنٹ جان محمد عطیات کا باضابطہ حساب کتاب رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں جموں و کشمیر بنیک میں "نیشنل ڈفنس کمیٹی (جموں و کشمیر)" کے نام سے کھاتہ بھی کھولا گیا۔ وزیر اعظم کے دست خط سے، جو کمیٹی کے صدر تھے، یا چیف سکریٹری کے دست خط سے یہ کھاتہ چلتا تھا۔ وزارت عظمیٰ سے سبک دوش ہوتے وقت بخشی غلام محمد نے، ۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جموں و کشمیر بنک کو ہدایت کرتے ہوئے لکھا کہ نیشنل ڈفنس کمیٹی کی بقیہ رقم سنٹرل ڈفنس فنڈ میں جمع کئے جانے کے لیے اسٹیٹ بنک آف انڈیا کو منتقل کی جائے۔ لیکن سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ بخشی غلام محمد نے اسی دوران میں نیشنل ڈفنس فنڈ کے لیے اور بھی رقمیں مختلف لوگوں سے حاصل کیں، جو اس کھاتے میں جمع نہیں کی گئیں ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ چک جے، کے، بنیک نمبری جے، کے، بی ۲۵۶۷۸۰ مورخہ ۴۔۸۔۱۹۶۳ء، رقم دس ہزار۔ چک محمد عبداللہ شیخ ٹھیکے دار نے اپنے ہی نام پر جاری کیا۔ پشت پر رقم نکالنے والے کے دست خط بھی ہیں۔

۲- چیک یونائیٹڈ کمرشل بینک نمبر آر، اج ۲۷۷۳۳۴،
مورخہ ۳-۸-۱۹۶۳ء رقم پانچ ہزار۔ چیک مسرز مجا سکر
ناتھ رینا اینڈ سنز، ٹھیکے دار نے اپنے ہی نام جاری
کیا۔ چیک کی پشت پر کمپنی کے حصے دار کے دستخط
ہیں۔

۳- چیک یونائیٹڈ کمرشل بینک نمبری ان، دائی ۶۰۶۶۰۲
مورخہ ۲۹-۷-۱۹۶۳ء۔ رقم ۵۰۴۱۔ چیک شری
علی شاہ نے بخشی غلام محمد کے نام جاری کیا۔

۴- چیک یونائیٹڈ کمرشل بینک سری نگر، نمبری او، اچ،
۶۱۵۹۲۳ مورخہ ۳۰-۷-۱۹۶۳ء۔ رقم دس ہزار
شاہ داد فارسٹ کمپنی نے اپنے ہی نام جاری کیا۔

۵- چیک نمبری جے، کے، بی ۲۵۹۱۳۶ مورخہ ۴-۸-۱۹۶۳ء
رقم تین ہزار۔ چیک غلام قادر داغا ٹھیکے دار نے اپنے
ہی نام جاری کیا۔ پشت پر رقم نکالنے والے کے دستخط
بھی ہیں۔

۶- چیک نمبری جے، کے، بی، ۲۱۹۶۸۴ مورخہ ۴-۸-۱۹۶۳ء
رقم پچیس ہزار۔ چیک ٹھاکر چیل سنگھ ٹرانسپورٹ
کمشنر نے اپنے ہی نام جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ اپریٹرس
یونین کی طرف سے فوجی جوانوں کی فلاح و بہبود کے لیے

جاری کیا۔

۷۔ چیک جموں و کشمیر بینک سری نگر، نمبری جے، کے، بی ۲۰۵۳۷۳ مورخہ ۱۔۸۔۱۹۶۳ء۔ رقم پانچ ہزار۔ چیک شری غلام رسول ٹھیکیدار نے اپنے ہی نام جاری کیا۔

مندرجہ بالا چیکوں میں سے پہلے دو چیک جاری کرنے والے محمد عبداللہ شیخ اور مسز ببھا سکرناتھ رینا نے نیشنل ڈفنس فنڈ ہی کے نام چیک کاٹے تھے۔ لیکن یہ چیک بخشی غلام محمد کی اس ہدایت کے ساتھ واپس کر دیے گئے کہ چیک از سرِ نو اپنے ہی نام کاٹے جائیں اور ان کی پشت پر دستخط بھی کر دیے جائیں۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ نیشنل ڈفنس فنڈ کے عطیات کو خورد برد کرنے ہی کی نیت سے یہ طریق کار استعمال کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بخشی غلام محمد نے اپنے اکاؤنٹنٹ شری جان محمد کو ہدایت کی کہ خود ان ہی کے نام سے جموں و کشمیر بینک میں ایک کھاتہ کھولا جائے، اگرچہ ڈفنس فنڈ کے نام سے ایک کھاتہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا۔ یہ نیا کھاتہ ۶؍اگست ۱۹۶۳ء کو کھولا گیا اور متذکرہ بالا چیک بخشی غلام محمد کے نجی حساب میں جمع کیے گئے۔ سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بخشی غلام کا یہ اقدام ڈفنس فنڈ کے خورد برد کیے جانے کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مندرجہ بالا چیکوں کے علاوہ دو اور چیک بھی، ایسا معلوم ہوتا

ہے، کہ اسی کھاتے میں جمع کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک چیک تسلیم کمپنی کے محمد مقبول کا تھا جو بخشی غلام محمد ہی کے نام کاٹا گیا تھا۔ محمد مقبول نے یہ رقم بخشی غلام محمد کو بہ طور قرض دی تھی۔ اس سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یہ بخشی غلام محمد کا نجی کھاتہ تھا، جس میں نیشنل ڈفنس کے چیک بھی خورد برد کرنے کی نیت سے جمع کیے جاتے تھے۔ ڈفنس کے عطیات کی یہ رقمیں جو بخشی غلام محمد کے اس نجی کھاتے میں جمع کی جاتی تھیں ان کا کوئی حساب کتاب بھی الگ نہیں رکھا جاتا تھا۔ سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس نجی کھاتے میں نیشنل ڈفنس فنڈ کے عطیات کی جمع کی ہوئی رقوم کے خاصے بڑے حصے کو قطعی طور پر خورد برد کرنے کے لیے، اسی میں سے پچاس ہزار روپے کا چیک بخشی غلام محمد نے نیفا اور لداخ کی سرحدوں کی پاسبانی کرنے والے جوانوں کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت ہند کے وزیر دفاع کے نام سے کاٹا۔ اس کھاتے کی بقیہ رقم جو ۲۸۰۳۹ روپے چالیس پیسے ہوتی ہے یہ دستوراً ان ہی کے نام رہی، اور آج تک نیشنل ڈفنس فنڈ میں منتقل نہیں کی گئی ہے۔

اس الزام پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے یہ بھی کہا کہ وزارت عظمیٰ سے سبک دوش ہوتے وقت بخشی غلام محمد نے نہ تو یہ کھاتہ اپنے جانشین کے نام منتقل ہی کیا، اور نہ اس کھاتے کے وجود ہی کی ان کو اطلاع دی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ وہ اسے اپنا نجی کھاتہ سمجھتے تھے۔

وزیرِ اعظم کے عہدے سے سبک دوش ہونے کے بعد بھی بخشی غلام محمد کے پاس بینک سے اس کھاتے کے سلسلے میں جو توثیقی چٹھیاں آتی رہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد یقیناً اس کھاتے کے وجود سے باخبر تھے، اور اسے نیشنل ڈفنس فنڈ میں یا جوانوں کی فلاح و بہبود کے فنڈ میں منتقل کرنے کا اگر ان کا کوئی ارادہ ہوتا تو متعلقہ حکام کو اس کھاتے کے وجود کی وہ اطلاع ضرور دیتے۔ اس کھاتے کے سلسلے میں بینک سے جب ان کے پاس توثیقی چٹھیاں آئی تھیں، تو اسی وقت انھیں بینک کو لکھنا چاہیے تھا کہ یہ کھاتہ سنٹرل ڈفنس فنڈ میں منتقل کر دیا جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ۲۸۰۳۹ روپے چالیس پیسے کی رقم انھوں نے خورد برد کی۔ گورنمنٹ کے عاید کردہ الزام کو اس امر سے مزید تقویت ملتی ہے کہ نیشنل ڈفنس فنڈ میں عطیہ دینے والے جن اصحاب نے نیشنل ڈفنس فنڈ کے نام چیک کاٹے تھے، انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ ان چیکوں کو منسوخ کر کے نئے چیک اپنے ہی نام سے کاٹ کر ان کی پشت پر دستخط کر دیں، تاکہ وہ چیک متذکرہ نجی کھاتے میں بہ آسانی جمع ہو سکیں۔

اس الزام کے سلسلے کی دستاویزوں اور بیانات حلفی کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ ان سے یہ واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کا ناجائز استعمال کر کے ڈفنس فنڈ کے عطیات کی رقموں کو خورد برد کیا۔

۴

۳ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۹ پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

"نیڈوز ہوٹل (سری نگر) کی اراضی، جو مسرز نیڈوز اینڈ سنز کے پاس چالیس سال کے پٹے پر پہلے ہی سے تھی، اس میں سے، ۶ کنال ۸ مرلا (۳۴۵۰۰ مربع فٹ) رقبہ نکال کر بخشی غلام محمد کے ایک نابالغ بھتیجے غلام جیلانی کو چالیس سال کے پٹے پر ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو ۲۰ روپے فی مرلا سالانہ پر، بغیر کچھ پریمیم لئے ہوئے دے دی گئی۔ یہ کارروائی بخشی غلام محمد ہی کے ایما پر کی گئی جو اس وقت ریاست کے وزیر اعظم تھے۔ یہ قواعد کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اسی اراضی پر ایک الکٹرک سب اسٹیشن بھی تھا، جسے ڈھا کر، بخشی غلام محمد کی خواہش کے مطابق، دوسری جگہ سرکاری صرف پر منتقل کیا گیا۔"

بحث کا آغاز کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ نیڈوز ہوٹل (سری نگر) کی عمارت نزول کی زمین پر واقع ہے۔ ہوٹل مسرز نیڈوز اینڈ سنز

کی ملک ہے۔ اس ہوٹل کی اراضی کا پٹہ ۱۲ ر اپریل ۱۹۶۰ء کو ختم ہونے والا تھا، لیکن وزراکی کونسل کے فیصلے، مورخہ ۱۳ ر جنوری ۱۹۶۰ء کے تحت پانچ سال کے لیے اس پٹے کی توسیع اس شرط پر ہونے والی تھی کہ "ہوٹل کے فرنیچر اور عمارت کے ساز وسامان کی درستگی کی جائے"۔ متذکرہ فیصلے میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ وزیر اعظم (بخشی غلام محمد) ہوٹل کے سامان کی تجدید کے شرائط، خود بہ نفسِ نفیس، مسرز نیڈوز اینڈ سنز کو بتلائیں گے، اور اس کا اطمینان کرلیں گے کہ ان شرائط کی پابندی کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ پٹے کی تجدید کے احکام ۱۹۶۰ء کے اواخر تک جاری نہیں کیے گئے۔ ساتھ ہی چیف ایگزیکٹو انجینیر نے مئی ۱۹۶۰ء میں مسرز نیڈوز کے نام نوٹس جاری کیا کہ یا تو وہ اس اراضی کو خالی کریں یا پٹے کی تجدید کرائیں۔ پٹے کی تجدید کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ بخشی مجید نے شری ڈبلو، اے، نیڈو کے سامنے، جو پٹے دار تھے، یہ تجویز پیش کی کہ اس اراضی کا ایک حصہ، پٹرول پمپ بنانے کے لیے وہ ان کے نام منتقل کردیں۔ شری نیڈو نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا تو انھیں بے دخل کرنے کی دھمکی دی گئی۔ اس دھمکی سے ڈر کر شری نیڈو نے یہ تجویز مان لی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بخشی غلام محمد کے ماموں زاد بھائی بخشی غلام احمد نے اسٹینڈرڈ ویکوم آئل کمپنی سے کاروبار کرنے کے لیے کمرشل آئل کمپنی کے نام سے گفت وشنید شروع کی، بخشی خان دان نے، بہرکیف آپس میں یہ طے کیا کہ یہ جگہ بخشی احمد

کے لیے نامزد کی جائے اور بخشی مجید کے پمپ کے لیے دوسری جگہ تجویز کی۔
بخشی غلام محمد نے، کچھ روز کے بعد، اس جگہ کا معائنہ کیا۔ ان کے ساتھ چیف انجینر مسٹر وانچو بھی تھے، جن سے انھوں نے کہا کہ اس جگہ پر ایک پٹرول پمپ لگنا ہے اور وہاں پر جو الکٹرک سب اسٹیشن ہے، اُسے کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چند روز کے بعد مسٹر وانچو بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر گئے، تو ایک درخواست کی دو نقلیں ان کے حوالے کی گئیں۔ درخواست بخشی غلام محمد کے ایک نابالغ بھتیجے غلام جیلانی کی تھی، جس پر خود بخشی غلام محمد نے، مسٹر وانچو کی موجودگی میں اس کی طرف سے دستخط کیے تھے۔ درخواست ڈویژنل انجینیر، صیغہ تعمیرات، (سری نگر) کے نام تھی۔ پٹرول پمپ نصب کرنے کے لیے کمرشل آئیل کمپنی کی اس درخواست کی سرکاری منظوری ملنے سے پہلے ہی اسٹینڈرڈ آئیل ویکوم کمپنی نے کمرشل آئیل کمپنی کو سری نگر میں اپنا بیوپاری مقرر کر دیا تھا اس کے بعد ہی مسٹر وانچو نے مسٹر ڈبلو، اے، نیڈوز سے جا کر کہا کہ اس اراضی کی بخشی غلام محمد کو ضرورت ہے پہلے تو وہ اس اراضی سے دستبردار ہونے پر راضی نہ ہوئے، لیکن پھر اس خیال سے کہ ان کے پٹے کی تجدید کا معاملہ ابھی چل ہی رہا ہے، اور ان کے انکار کرنے کے بعد تجدید کی یہ درخواست سرے سے مسترد ہی نہ کر دی جائے، وہ متعلقہ اراضی سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے۔ ام۔ جی۔ حسن، ڈویژنل انجینیر کو بھی مسٹر وانچو نے بخشی غلام محمد کی یہ ہدایت پہونچا دی کہ الکٹرک سب اسٹیشن

کو، سرکاری خرچ پر، ڈھا کر کسی دوسری مناسب جگہ منتقل کرنا ہے۔ ڈویلپمنٹ سکریٹریٹ میں ابھی اس معاملے کی جانچ ہو ہی رہی تھی کہ یکایک ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو نیڈوز کے پٹے کی تجدید کی اور اسی اراضی میں سے ۵۰۰ ۴۳ مربع فٹ الگ کر کے غلام جیلانی کے نام پٹہ کرنے کی منظوری کے احکام وزرا کی کونسل سے جاری ہوگئے، اگرچہ اس وقت تک نہ تو ڈویلپمنٹ سکریٹریٹ نے اس سلسلے میں کوئی میمورنڈم ہی کونسل کو بھیجا تھا، اور نہ یہ معاملہ کونسل کے اجنڈے ہی پر تھا۔

کونسل کے احکام کے مطابق یہ پٹہ چالیس سال کے لیے بیس روپے فی مرلا سالانہ کے حساب سے غلام جیلانی کے نام ہونا تھا۔ اس پٹے کے سلسلے میں، پریمیم کی بھی کوئی رقم نہیں لی گئی تھی، اگرچہ قاعدے کے مطابق پریمیم لینا ضروری تھا۔ سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہی اراضی اگر قاعدے کے مطابق نیلام کی گئی ہوتی تو پریمیم کی خاصی بڑی رقم ملتی، کیوں کہ یہ اراضی قومی شاہ راہ پر اور نہایت پُر منافع موقع پر ہے۔

۹ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر دس پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے اپنے ایک نابالغ بھتیجے غلام جیلانی،

مالک کمرشل آئیل کمپنی کو بی، سی، روڈ جموں پر ایک قطعہ اراضی نہایت کم رقم۔ صرف ایک ہزار روپیہ فی کنال پریمیم پر، قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، پٹے پر دلا دی جس سے غلام جیلانی کو تیس ہزار روپے کے بہ قدر مالی منفعت ہوئی"

بحث شروع کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۸ء کو بخشی غلام محمد کے بھتیجے بخشی غلام حسن اور بخشی ہردت نے، جو کٹھوا موٹرس کمپنی کے حصہ داران تھے، رہائشی اور تجارتی ضرورت کے لیے بی، سی، روڈ جموں پر ۲ کنال اراضی کے پٹے کے لیے وزیر مال کو ایک درخواست دی، جو مختلف منزلوں سے گزرتی ہوئی نائب تحصیل دار جموں کے پاس آئی، اور جموں میونسپلٹی سے "نو ابجکشن" (کوئی اعتراض نہیں) سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا گیا۔ اس کے بعد پریمیم کی رقم مقرر کرنے کے لیے یہ درخواست فائینانشل کمشنر کے پاس گئی، جس نے سکریٹری محکمہ مال کو اس قاعدے کی طرف توجہ دلائی کہ پریمیم کی رقم کھلی نیلامی بولی سے متعین کی جانی چاہیے۔ یہ خط وزیر مال کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس سلسلے میں وزرا کی کونسل کے لیے ایک میمورنڈم تیار کرنے کی سکریٹری محکمہ مال کو ہدایت کی۔ میمورنڈم میں اس حقیقت کا بھی اظہار کیا گیا تھا کہ:

"نزول کی زمین کا پریمیم کھلی نیلامی بولی سے متعین کیا جاتا ہے،

لیکن اس اراضی کا پٹہ دینے کے لیے مقررہ قواعد کی پابندی
نہیں کی جائے گی۔"

اس درخواست پر ابھی کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ بخشی خان دان کا کاروبار جواب تک مشترکہ طور پر چل رہا تھا، آپس میں تقسیم ہو گیا۔ اس سلسلے میں غلام احمد اور عبدالرشید کو، جو بخشی غلام محمد کے ماموں زاد بھائی ہیں، تقسیم میں مناسب حصہ نہیں ملا تھا، اس کمی کو اس طرح پورا کرنا طے پایا کہ بی، اسی، روڈ جموں کی اراضی کا پٹہ ان کے نام کرا دیا جائے تا کہ کمرشل آئل کمپنی کے نام سے اس اراضی پر وہ پٹرول پمپ نصب کرلیں۔ اس فیصلے کے تحت بخشی غلام حسن اور بخشی ہر دت نے وزیر مال کو ایک درخواست دی جس میں استدعا کی گئی تھی، ان لوگوں نے جس اراضی کے پٹے کے لیے سابق میں درخواست دی تھی، اس اراضی کا پٹہ کمرشل آئل کمپنی کے نام کیا جائے۔ یہ درخواست ۲۵ / جنوری ۱۹۶۱ء کو دی گئی تھی۔ اسی روز ۲۵ / جنوری ہی کو، اس درخواست کے جواب میں سکریٹری محکمہ مال نے درخواست دہندوں کو لکھا کہ کمرشل آئل کمپنی کے مالکان کے نام اور ان کے ریاستی باشندے ہونے کے سرٹی فیکٹ فراہم کیے جائیں۔ اسی روز یعنی ۲۵ / جنوری ہی کو، بخشی غلام احمد نے اس کا جواب دیا کہ کمرشل آئل کمپنی غلام جیلانی (ولد بخشی عبدالرشید) کی ملک ہے، وہی اس کے تنہا مالک ہیں، اور وہ ریاستی باشندے ہیں۔
سرکاری وکیل نے متذکرہ بالا خط و کتابت کے سلسلے میں کمیشن کو خصوصیت

سے توجہ دلائی کہ یہ سب خطوط ایک ہی تاریخ میں لکھے گئے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری خط وکتابت سکریٹریٹ ہی میں یک جا بیٹھ کر کی گئی تھی، اور جملہ شرکا، وہیں موجود تھے۔

۲۷ر جنوری ۱۹۶۱ء کو سکریٹری صیغۂ مال نے کمرشل آئیل کمپنی کو پھر تحریری ہدایت کی کہ پٹے کے لیے کمپنی کے مالک غلام جیلانی کی طرف سے درخواست دی جائے اور ساتھ ہی ریاستی باشندہ ہونے کا سرٹی فیکٹ بھی منسلک کیا جائے۔ اس کی تعمیل میں بخشی غلام احمد نے نابالغ غلام جیلانی کے ولی کی حیثیت سے ۶ فروری ۱۹۶۱ء کو باضابطہ درخواست دی۔ اس درخواست پر کمیشن کو توجہ دلاتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا، غلام جیلانی کے باپ (بخشی عبدالرشید) کی موجودگی میں چچا (غلام احمد) کا ولی بن کر درخواست کرنا بھی معنی خیز ہے۔

بہرکیف مختلف منزلوں سے گزرنے اور متعدد ضابطوں کو نظر انداز کرنے کے بعد، زمین کے لگان کے علاوہ ایک ہزار روپیہ فی کنال پریمیم کے عوض متذکرہ اراضی چالیس سال کے پٹے پر کمرشل آئیل کمپنی کو دے دی گئی۔ غلام جیلانی نے اسی اراضی کو جموں کے 'دوارکا سنگھ کو پٹرول پمپ نصب کرنے کے لیے مزید پٹے پر اس شرط کے ساتھ دیا کہ خالص آمدنی کا چالیس فی صدی حصہ کمرشل آئیل کمپنی کو ملے گا۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ انتقال پٹہ کی یہ کارروائی بھی قاعدے کی خلاف ورزی تھی۔

۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۱ پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے ۱۹۶۰ء میں بخشی عبدالمجید کے نابالغ بیٹے انور آفتاب کو بونا مسر (سری نگر) میں دو کنال اراضی، دو ہزار روپے فی کنال کے معینہ پریمیم کے حساب سے، خلاف قاعدہ، پٹے پر دلائی۔ پٹے دار نے تقریباً ۱۲ مرلا اور ۱۰۶ فٹ سرکاری زمین پر بھی ناجائز قبضہ کرکے پٹے پر لی ہوئی اراضی میں مزید اضافہ کرلیا۔"

اس الزام کی داستان بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اگست ۱۹۶۰ء میں ایک دن بخشی غلام محمد نے چیف انجینیر پی، ڈبلیو، ڈی کو ساتھ لے کر سری نگر شہر کا گشت لگایا۔ اسی گشت کے دوران میں چیف انجینیر کو انھوں نے ہدایت کی کہ رزیڈنسی روڈ پر کشمیر آیل کمپنی کے نام سے بخشی مجید کا جو پیٹرول پمپ ہے، اسے بونا مسر (سری نگر) منتقل کر دیا جائے۔ سرکاری وکیل نے اسی سلسلے میں انکشاف کیا، بخشی مجید نے اس جگہ دراصل ناجائز طور پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہاں پہلے بنگال موٹر اسٹورس کا پیٹرول پمپ تھا، جسے حکومت نے ہوٹل روڈ (سری نگر) پر منتقل کر دیا تھا۔ اس جگہ کے خالی ہوتے ہی بخشی مجید نے اس پر قبضہ کرکے

کشمیر آئل کمپنی کے نام سے پمپ لگالیا، اس لیے بخشی مجید کی حیثیت اس جگہ ناجائز قابض کی تھی، بلکہ انھوں نے پی، ڈبلو، ڈی کے محکمے کو اس کا کرایہ تک ادا نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ اس بات کے قطعاً مستحق نہیں تھے کہ اس پٹرول پمپ کو ہٹانے کے معاوضے میں انھیں کوئی دوسری جگہ دی جائے۔

چیف انجینیر نے بخشی غلام محمد کی یہ ہدایت ڈویزنل انجینیر کو ٹیلی فون کے ذریعے پہونچادی کہ کشمیر آیل کمپنی کے پمپ کو بونامسر منتقل ہونا ہے۔ اسی ہدایت کے مطابق ڈویزنل انجینیر نے تجویز مرتب کی جس میں سفارش کی گئی تھی کہ کشمیر آیل کمپنی کو ۵ کنال ۱۵ مرلا اور ۲۷ مربع فٹ اراضی بونامسر میں دی جائے۔ اسی تجویز کو چیف انجینیر نے اپنی سفارش کے ساتھ ڈولپمنٹ منسٹر کو بھیجتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ بخشی مجید کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس اراضی کے پٹے کے لیے نزول کے محکمے کو درخواست دیں۔ نزول کے محکمے میں اس درخواست پر ضابطے کی کارروائی کے بعد ۱۳/ جنوری ۱۹۶۱ء فائنانشل کمشنر نے تجویز کیا کہ بونامسر کی یہ اراضی ایک ہزار فی کنال پریمیم پر دی جائے۔ اس پر محکمہ مال کے ڈپٹی سکریٹری نے نوٹ لکھا کہ پٹے کی یہ کارروائی چوں کہ خلاف قاعدہ ہے، اس لیے مالیات کے محکمے سے بھی مشورہ کرلیا جائے۔ محکمہ مال کے سکریٹری نے بھی ڈپٹی سکریٹری کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ لیکن وزیر مال مسٹر دینا ناتھ مہاجن نے ۱۸/ جنوری ۱۹۶۱ء کو حکم جاری کیا کہ اس معاملے کو وزرا، کی

کونسل کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس ہدایت پر عمل کیا گیا، لیکن ۲۷ فروری ۱۹۶۱ء کو یہ فائل صیغہ مال کو پھر واپس کر دی گئی، اور دفتر نے اس پر یہ نوٹ لکھا کہ وزیر اعظم نے ہدایت کی ہے کہ پٹوں کی منظوری، تجدید اور ان کی منتقلی کے احکام وزیر اعظم کی اجازت کے بعد وہ افسران جاری کریں گے جو اس کے مجاز ہوں گے۔ اسی نوٹ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ متعلقہ اراضی ایک تجارتی غرض سے حاصل کی جا رہی ہے۔ اس کا پریمیم چوں کہ کھلی نیلامی بولی سے متعین نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ مالیات کے محکمے سے بھی استصواب کر لیا جائے۔ متذکرہ بالا نوٹ کے باوجود وزیر مال نے اس قصے کو پھر وزرا کی کونسل کے سامنے پیش کئے جانے کی ہدایت کی، اور اس بار بھی یہ محکمہ مال کو اسی نوٹس کے ساتھ واپس کر دیا گیا کہ متعلقہ اراضی چوں کہ ۵ کنال سے کم ہے، اس لیے اس کے اجنڈے میں شامل کرنے سے پہلے صیغہ مال کے سکریٹری جانچ پڑتال کر کے اس کی بابت رپورٹ پیش کرے۔ چناں چہ ضروری کارروائی کے بعد ۲۰ جون ۱۹۶۱ء کو یہ فایل واپس آئی تو وزیر مال نے ایک تجویز مرتب کرنے کی ہدایت کی جس میں یہ سفارش کرنی تھی کہ بخشی مجید کے نابالغ بیٹے انور آفتاب کو بونامسر میں صرف دو کنال اراضی، عام لگان کے علاوہ، دو ہزار روپے فی کنال پریمیم پہ دینا منظور کیا جائے۔ سکریٹری صیغہ مال نے اسی تاریخ کو اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ پریمیم کی یہ رقم کھلی بولی کے بعد متعین نہیں کی گئی ہے، لیکن چیف سکریٹری نے ہدایت کی کہ یہ معاملہ، نیز اسی طرح کے دوسرے معاملات

کے ساتھ ساتھ وزرا کی کونسل میں پیش کیا جائے۔

بہر کیف ۳ اگست ۱۹۶۱ء کو بالآخر گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ بخشی مجید کے نابالغ بیٹے انور آفتاب کو چالیس سال کے پٹے پر، عام لگان کے علاوہ، دو ہزار روپے فی کنال پریمیم پر یہ اراضی دے دی جائے سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ اسی طرح کی ایک اور درخواست محمد سلطان کی تھی، جس میں یونا مسر گاؤں کے اندرونی حصہ میں رہائشی مقصد کے لیے دو کنال زمین کی منظوری کی استدعا کی گئی تھی۔ اس اراضی کا پریمیم متعین کرنے کے لیے نیلامی بولی، بولی گئی تھی، اور آخری بولی ساڑھے گیارہ ہزار تک گئی، جو قبول کرلی گئی۔ محل وقوع کے اعتبار سے، اس کے مقابلے میں بخشی مجید کی اراضی بہت بہتر تھی۔ اس کی نیلامی بولی اگر بولی جاتی تو تیس ہزار سے کم نہ جاتی۔

سرکاری وکیل نے اس الزام سے متعلق دستاویزیں اور بیاناتِ حلفی پڑھ کر کمیشن کو سنائے، جن سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ بخشی مجید کے نام اس اراضی کا پٹہ، قانون کی خلاف ورزی تھا، اور یہ بخشی غلام محمد ہی کی ہدایت کے تحت منظور کیا گیا تھا، سرکاری وکیل نے صفائی کے وہ بیانات بھی کمیشن کو سنائے جو بخشی غلام محمد اور بخشی مجید نے داخل کیے تھے۔ بخشی غلام محمد نے اپنی صفائی میں کہا تھا کہ اس پٹے کی منظوری وزرا کی کونسل نے دی تھی، اس لیے صرف ان ہی کو ذمے دار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

بخشی مجید نے اس سے انکار کیا تھا کہ بخشی غلام محمد یا وزیر مال نے اس پٹے کی منظوری کے سلسلے میں کوئی خاص دلچسپی لی تھی۔ بخشی مجید نے یہ بھی کہا تھا کہ رزیڈنسی روڈ کی اراضی پر انھوں نے ناجائز قبضہ نہیں کیا تھا بلکہ بنگال موٹرس کے منتقل ہونے کے بعد رزیڈنسی روڈ کے پٹرول پمپ کی ایجنسی انھیں برماشل نے دی تھی۔

۷ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۹ پیش کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ بخشی غلام محمد کے سرکاری منصب کا مندرجہ ذیل معاملات میں فایدہ اٹھایا گیا ہے:

"(الف) مسماۃ راجا بیگم زوجہ بخشی عبدالرشید اور بخشی غلام محمد کے ماموں زاد بھائی بخشی غلام احمد نے اسٹینڈرڈ ویکوم کمپنی (جو اب ESSO کے نام سے ہے) سے سری نگر اور جموں میں پٹرول پمپوں کی ایجنسی حاصل کی۔

"(ب) ان ہی لوگوں نے ESSO کا مال ڈھونے کا ٹھیکہ بھی حاصل کیا، جسے بعد میں چودھری عیشی رام بترا کو پچاس ہزار روپے سالانہ کے شکمی ٹھیکے پر دے دیا، آگے چل کر یہ رقم پچھتر ہزار سالانہ کر دی گئی۔

"(ج) سری نگر میں گورنمنٹ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کا

پٹرول پمپ جو اب تک کالٹکس کمپنی چلا رہی تھی، اسٹینڈرڈ
ویکوم کمپنی کو دے دیا گیا"۔

اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے بتلایا کہ ریاست جموں و کشمیر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے اپنی گاڑیوں میں پٹرول بھرنے کے لیے ۱۹۴۸ء میں لکھن پور، جموں اور سری نگر میں پٹرول بھرنے کے تین اسٹیشن قایم کیے۔ پٹھان کوٹ سے جموں و کشمیر تک تیل لے جانے کا کاروبار خاصا منافع بخش تھا، خصوصاً اس ٹھیکے دار کے لیے جو سری نگر تک پٹرول لے جائے۔ اس محکمے کے وجود میں آنے کے وقت سے برماشل کمپنی محکمے کی پٹرول کی ضروریات فراہم کر رہی تھی۔ لیکن ۱۹۵۸ء میں اس محکمے کے پٹرول اور متعلقہ اشیاء کی فراہمی برماشل، اسٹینڈرڈ ویکوم اور کالٹکس کمپنیوں میں تقسیم کر دی گئی۔ کالٹکس کمپنی کو سری نگر کا اسٹیشن ملا۔ ۱۹۶۱ء میں اس نظام میں تبدیلی کی گئی اور اسٹینڈرڈ ویکوم کمپنی کو سری نگر کا اسٹیشن دے دیا گیا۔ اس کمپنی نے جموں و کشمیر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے پٹرول اور متعلقہ سامان کی ڈھلائی کا ٹھیکہ چودھری عنیتی رام بہترا کو دے رکھا تھا۔

پٹرول کی ڈھلائی کا کام ٹھیکے دار اسی حالت میں کر سکتا تھا جب اس کے پاس پٹرول ڈھونے کی گاڑیاں چلانے کے لیے رُوٹ پرمٹ ہو۔ سرکاری وکیل نے اس بات کے دستاویزی ثبوت فراہم کئے کہ جہاں تک رُوٹ پرمٹ دینے کا تعلق تھا، بخشی غلام محمد نے اپنے عہدِ وزارت

میں، اسے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا تھا۔ ان کے حکم کے بغیر نہ تو کوئی روٹ پرمٹ دیا جا سکتا تھا اور نہ کسی پرمٹ کی تجدید ہی ہو سکتی تھی۔

۱۹۵۸ء میں جب برماشل کمپنی جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے پٹرول کی فراہمی کی تنہا ذمے دار تھی، تو اس کمپنی نے مسرز جودھا سنگھ گجرال کو ڈھلائی کا ٹھیکہ دے رکھا تھا۔ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبد المجید نے جودھا سنگھ سے کہا کہ ان کو بھی اس ٹھیکے میں حصہ دار بنا لیا جائے، لیکن جودھا سنگھ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ سرکاری وکیل نے دستاویزوں کی مدد سے یہ ثابت کیا کہ اس انکار کے بعد، اگلے سال مسرز جودھا سنگھ کے آٹھ مستقل اور تین عارضی روٹ پرمٹ کی تجدید نہیں کی گئی۔ اور پھر بخشی غلام محمد کی بڑی خوش آمدوں کے بعد مسرز جودھا سنگھ کے چار مستقل اور دو عارضی پرمٹوں کی تجدید ہوئی۔

متعلقہ دستاویزوں اور ٹرانسپورٹ کمشنر کے بیان حلفی کے حوالے سے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ ۱۹۶۰ء میں کمرشل آئیل کمپنی کو جو بخشی رشید کی بیوی راجا بیگم اور بخشی عبد الرشید ہی کے حقیقی اور بخشی غلام محمد کے ماموں زاد بھائی بخشی غلام احمد کی مشترکہ ملکیت تھی، اسٹینڈرڈ ویکوم کمپنی کا بیوپار اس یقین دہانی پر مل گیا کہ پٹرول پمپ نصب کرنے کے لیے اچھے موقعے کی جگہیں وہ حاصل کر لیں گے۔ چناں چہ سری نگر میں ہوٹل روڈ پر اور جموں میں بی، سی، روڈ پر پٹرول پمپ نصب کرنے کے لیے قاعدے قانون کو بالائے طاق رکھ کر، موقع کی جگہیں انھوں نے حاصل کر لی تھیں، اور یہ سب

نتیجہ تھا بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال کا، جس میں ان کے علم اور ان کی چشم پوشی دونوں کو دخل تھا، اور جس کی تفصیلات الزام نمبر ۹ و ۱۰ کے سلسلے میں بیان کی جا چکی ہیں۔

بخشی غلام محمد کے سرکاری منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ایک اور مثال دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اسٹینڈرڈ ویکوم کمپنی نے، جسے ۱۹۶۰ء میں ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے پٹرول بھرنے کے لئے سری نگر اسٹیشن مل گیا تھا، پٹھان کوٹ سے سری نگر تک پٹرول ڈھونے کا ٹھیکہ بخشی غلام احمد کو دے دیا گیا اگرچہ پچھلے دس سال سے چودھری عیشی رام بترا، پوری ریاست جموں و کشمیر میں اسٹینڈرڈ ویکوم کمپنی کے پٹرول کی ڈھلائی کا کام کر رہے تھے، اس کے برعکس بخشی غلام احمد کو نہ تو پٹرول کی ڈھلائی کا کوئی تجربہ تھا اور نہ پٹرول ڈھونے کی گاڑیاں ہی ان کے پاس تھیں۔

ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ، اسی ڈپارٹمنٹ کے افسروں کے بیانات حلفی، اور مسرز عیشی رام بترا کے ریکارڈ پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ بخشی غلام احمد کو جب اسٹینڈرڈ آیل کمپنی کے پٹرول کی ڈھلائی کا ٹھیکہ مل گیا تو مسرز عیشی رام بترا کمپنی کے ایک حصے دار چودھری دھرم ویر بترا کو پٹرول کی ڈھلائی کے لیے سب اجنٹ مقرر کرنے کی پیش کش کی۔ دھرم ویر بترا نے اس تجویز کو قبول کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی، تو انھیں بخشی غلام احمد نے دھمکایا کہ یہ تجویز اگر

انھوں نے نہ مانی تو آشی رام بترا کمپنی کے تمام روٹ پرمٹ وہ منسوخ کرادیں گے اور جموں وکشمیر میں ڈھلائی کے اور کام بھی ان سے لے لئے جائیں گے لیکن اگر یہ تجویز انھوں نے مان لی تو اس فرم کو جب بھی اور جتنے بھی پرمٹوں کی ضرورت ہوگی، وہ اپنے بھائی بخشی غلام محمد سے دلادیں گے۔ سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اس دھمکی اور یقین دہانی کے بعد مسرز عیشی رام بترا نے بخشی غلام احمد کا سب اجنٹ ہونا منظور کرلیا اور طے پایا کہ عیشی رام باترا کمپنی اس کے معاوضے میں ۲۰۰۰ روپے ماہوار بخشی غلام احمد کو دے گی، اور وہ بخشی غلام محمد کی وساطت سے روٹ پرمٹوں کا انتظام کریں گے۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے ریکارڈوں کی مدد سے ثابت کیا کہ آگے چل کر بخشی غلام احمد نے بخشی غلام محمد کے اثرورسوخ سے کام لے کر مسرز عیشی رام بترا کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ سے سات روٹ پرمٹ دلائے۔ اسی خدمت کے معاوضے میں، معاہدے کے مطابق، عیشی رام بترا کمپنی نے بخشی غلام احمد کو پچاس ہزار روپے سالانہ ادا کیا۔ بعد میں یہ رقم بڑھاکر پچھتر ہزار سالانہ کردی گئی۔ سرکاری وکیل نے اس پہلو پر زور دیا کہ یہ سب کچھ نتیجہ تھا بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کے بے جا استعمال کا، جو ان کے علم میں، اور ان کی چشم پوشی سے عمل میں لائی گئی تھی۔

بخشی غلام محمد، بخشی غلام احمد، راجا بیگم اور بخشی مجید نے جو تحریری بیانات داخل کیے تھے، ان کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے حسب سابق ان تمام باتوں سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے،

اور بخشی غلام احمد کی کاروباری معاملات سے بھی اپنی بے خبری کا اظہار کیا ہے۔ راجا بیگم نے بھی ان الزامات سے متعلق تمام واقعات سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ بخشی غلام احمد نے اس سے قطعی انکار کیا ہے کہ اپنے ماموں زاد بھائی، بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کا انھوں نے کوئی فایدہ اٹھایا تھا۔ ان کے بیان کے مطابق اسٹینڈرڈ ڈیکوم کمپنی نے کمرشل آئل کمپنی کو اپنا اجنٹ مقرر کیا تھا، جو بخشی عبدالرشید کے بیٹے غلام جیلانی کی تنہا ملکیت ہے، اور جو ان کی ولایت میں کام چلا رہے تھے۔ کمرشل آئل کمپنی نے اسٹینڈرڈ ڈیکوم کمپنی سے تجارتی تعلقات پیدا کیے تھے، اور اسی سلسلے میں پٹرول کی ڈھلائی کا مزید کام بھی کمرشل کمپنی کو مل گیا تھا۔ بخشی مجید نے بھی ان الزام سے متعلق تمام واقعات سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے، اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے مسٹر جودھا سنگھ گجرال سے کہا تھا کہ اس فرم میں ان کو بھی حصہ دار بنا لیا جائے۔ سرکاری وکیل نے ان جوابات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ان تردیدوں کے کوئی ثبوت پیش نہیں کیے گئے ہیں، اس لیے گورنمنٹ کے عاید کردہ الزامات پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۵

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۲۹ پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

”بخشی غلام محمد کے اقربا نے ان کی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کر کے، اور اس سے ناروا فایدہ اٹھا کر ۱۹۶۳ء میں بے جا مالی منفعت حاصل کی۔ فرڈیل فاسٹ کمپنی جو بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی کی ملک ہے، لنگیٹ فارسٹ ڈویزن میں، کمپارٹ منٹ ۲۷، ہڈ نمبل، پٹے پر دیا گیا تھا، اس کمپنی کو چھ لاکھ سے اوپر رائلٹی کی رقم ناجائز طور پر معاف کی گئی۔“

اس الزام سے متعلق واقعات بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جموں و کشمیر کے محکمۂ جنگلات نے ہڈ نمبل کے کمپارٹ منٹ ۲۷ کے لیے، جو لنگیٹ فارسٹ ڈویزن میں ہے، ٹنڈر طلب کیے۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جب ٹنڈر کھولے گئے، تو سب سے اونچا ٹنڈر بارہ لاکھ اکاون ہزار کا تھا، جو قبول کر لیا گیا اور حکومت نے بھی ۱۴ر نومبر ۱۹۵۸ء کو اس کی توثیق کر دی۔ اس ٹنڈر

کے منظور ہوتے ہی متعلقہ فرم نے درخواست دی کہ اس قطعہ کا پٹہ فریڈیل فارسٹ کمپنی کے نام کیا جائے۔ یہ کمپنی بخشی غلام محمد کے چچازاد بھائی بخشی غلام حسن اور بخشی غلام محمد ہی کے سالے مرزا غلام مصطفےٰ کی مشترکہ ملک تھی، لیکن جب بخشی خان دان کا کاروبار تقسیم ہوا، تو جنگلات کا یہ پٹہ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی کے حصے میں آیا، جنھوں نے بٹوارہ ہوتے ہی ۷ جنوری ۱۹۶۱ء کو ایک درخواست دی، جس میں یہ عذرداری کی گئی تھی کہ اس پٹے کی شرائط پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے کیوں کہ بیش تر درختوں میں گھن لگ گیا ہے، اور وہ کھوکھلے ہوگئے ہیں اُن اسباب کی بنا پر رائلٹی کی رقم میں معتدبہ کمی کی جائے۔ اس درخواست نے مختلف منزلوں سے گزرنے کے بعد چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کے حکم سے ایک کمیشن مقرر کیا گیا، جس کا کام یہ تھا کہ اس نوع کی جتنی بھی درخواستیں ہیں، جن میں درختوں کے سڑ جانے کی بنا پر رائلٹی کی رقم میں معافی دینے کی استدعا کی گئی ہے، ان کی بابت تحقیقات کرنے کے بعد رپورٹ کرے۔ یہ کمیشن دو کنزرویٹر آف فارسٹس اور دو ڈویژنل فارسٹ افسروں پر مشتمل تھا۔

ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ رائلٹی میں معافی کے لیے بخشی غلام نبی کی متذکرہ بالا درخواست مورخہ ۷ جنوری ۱۹۶۱ء کے دیے جانے سے چند روز قبل بخشی غلام محمد نے چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کو اپنی کوٹھی پہ بلا کر اس درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے

کی ہدایت کی۔ ام، آئی، بیگ کنزرویٹر آف فارسٹس، جو کمیشن کے ممبر تھے ان سے بھی بخشی غلام محمد نے اپنے بھائی کی مدد کرنے اور اس بات کا خیال رکھنے کے لیے کہا کہ ان کا کاروبار بحال رہے۔ اسی طرح کمیشن کے ایک دوسرے ممبر اے، ان، کول کنزرویٹر کے کان میں بھی یہی بات ڈالی گئی۔ ام، آئی، بیگ نے ڈویژنل فارسٹ افسر، لنگیٹ ڈویژن کو بھی اس ہدایت سے باخبر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹ ر اگست ۱۹۶۱ء کو کمیشن نے جب اپنی رپورٹ چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کو پیش کی تو، ۲ بڈ ٹمبل کے سلسلے میں ۳۱ ر ۴ فی صدی رائلٹی معاف کئے جانے کی سفارش کی، جو سرکاری وکیل کے بیان کے مطابق زیادہ تھی۔ اسی رپورٹ کو سامنے رکھ کر چیف کنزرویٹر نے رائلٹی میں معافی کی درخواستوں کے بارے میں اپنی رپورٹ مرتب کی، اور اس کا مسودہ لے کر بخشی غلام محمد کی منظوری کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اس سلسلے میں جو دستاویزی ثبوت ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بخشی غلام محمد چیف کنزرویٹر کی سفارش سے مطمئن نہیں ہوئے، اور اس میں مزید اضافے کے لیے کہا۔ اس مسودے کو چیف کنزرویٹر واپس لے گیا اور اس میں اپنے ہاتھ سے ۳۱ ر ۴ کو ۵۸ بنایا۔ یہ رپورٹ چوں کہ خاصی ضخیم تھی، اور اس میں زیادہ تبدیلی نہیں تھی اس لئے پوری رپورٹ کا از سر نو ٹائپ ہونا اس نے ضروری نہ سمجھا، اور صرف ان صفحات کو دوبارہ ٹائپ کرایا، جو بڈ ٹمبل سے متعلق تھے، اور جس میں اعداد کی تبدیلی کے علاوہ رائلٹی

کی معافی میں مزید اضافے کا جواز پیدا کرنے کے لیے چند پیراگرافوں کا اضافہ کرنے کی ضرورت بھی پیش آئی، جس کی وجہ سے ایک صفحہ اور بڑھ گیا جس پر صفحہ ۳۱۸ ڈالا گیا۔ چیف کنزرویٹر اپنے مسودے کے اس صفحے کو ضایع کرنا بھی بھول گیا، جس میں اس نے تبدیلی کی تھی، اور وہ آج بھی رپورٹ کے اندر موجود ہے۔

۲۷ بڈ ممبل اور بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی کی اور فرمول کے بارے میں چیف کنزرویٹر کی رپورٹ محکمۂ جنگلات کو، اور وہاں سے محکمۂ مال کو استصواب کے لیے بھیج دی گئی۔ محکمہ مال نے تجویز کیا کہ معافی کی جو فی صدی رقم تجویز کی گئی ہے، اس کا صرف ۸۰ فی صدی حصہ مقرر کیا جائے۔ سرکاری وکیل نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ محکمۂ مال کی اس تجویز کے بعد محکمۂ جنگلات کے سکریٹری ان، اس، ناگ نے ۲۷ بڈ ممبل کے سلسلے میں معافی کا حساب کتاب ۸۵ فی صدی، ہی کے حساب سے رکھا۔ سرکاری وکیل نے اسی سلسلے میں یہ بھی انکشاف کیا کہ جس وقت سکریٹریٹ میں اس رپورٹ پر غور ہو رہا تھا تو اسی وقت چیف سکریٹری نے محکمۂ جنگلات کے سکریٹری کو ایک نیم سرکاری مراسلہ بھیجا کہ رائلٹی میں معافی کے ان معاملات کو وہ خود ذاتی طور پر نپٹائیں۔ سرکاری وکیل کے قول کے مطابق چیف سکریٹری کا اس طرح نیم سرکاری مراسلہ محکمۂ جنگلات کے سکریٹری کو بھیجنا حیرت ناک ہے۔

محکمہ جنگلات کے سکریٹری شری ناگ نے کابینہ کے ان دو ممبروں

کے سامنے اس قصے کو پیش کیا، جو اس پر غور کرنے کے لیے نامزد کئے گئے تھے۔ شری ناگ نے ان دونوں وزرا کے سامنے ایک چارٹ بھی پیش کیا، جس میں معافی کے رقم کے وہ اعداد و شمار درج تھے، جو مختلف پٹوں کے سلسلے میں تجویز کئے گئے تھے۔ یہ چارٹ وزرا کے نامزد ہونے سے پندرہ روز پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ وزرا ۲۰ مارچ کو نامزد کئے گئے تھے، اور یہ چارٹ ۵ مارچ ہی کو بن چکا تھا۔ سرکاری وکیل نے خیال ظاہر کیا کہ بخشی غلام محمد نے شری ناگ کو وزرا کے نامزد کئے جانے کی خبر پہلے ہی بتلا کر چارٹ تیار کرنے کی ہدایت کی ہوگی۔ بہرکیف شری ناگ نے ۲۷ پٹوں کی رائلٹی میں سوا سات لاکھ روپے کی معافی کا حساب تیار کیا تھا جس میں سے بالآخر ساڑھے چھ لاکھ کی معافی کی منظوری طے پائی۔

اسی فرم کو طغیانی کے سلسلے میں ایک لاکھ بارہ ہزار روپے کی جو مزید معافی دی گئی تھی، اس پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ یہ معافی جائز نہیں تھی۔ اس الزام کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے ایک دستاویز بھی پیش کی گئی ہے، جس میں ان ۱۹۱ لٹھوں کی فہرست درج ہے، جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ طغیانی آنے سے کچھ ہی پہلے بہائے گئے تھے، اور جو لاپتا ہو گئے۔ وکیل نے انکشاف کیا کہ یہ فہرست فرضی ہے، جو ڈویژنل فارسٹ افسر، لنگیٹ ڈویژن کے دفتر ہی میں ان ہی لوگوں کے مشورے سے مرتب کی گئی تھی۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے حاجی غلام محمد اور بخشی غلام نبی کے

تحریری بیانات پیش کرتے ہوئے کہا کہ بخشی غلام محمد نے ان تمام واقعات کو غلط قرار دیا ہے، جو حکومت نے پیش کیے ہیں۔ حاجی غلام نبی نے اپنے جواب میں بیان کیا ہے کہ درختوں کے سڑ جانے کا معاوضہ دوسرے پٹے داروں کو بھی ملا ہے، جن کی فہرست بھی انھوں نے پیش کی ہے سرکاری وکیل نے کہا ان جوابات میں کوئی جان نہیں ہے، اور یہ بات دستاویزوں اور شہادتوں سے ثابت ہو جاتی ہے کہ بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کو ناروا طور پر استعمال کر کے اپنے بھائی حاجی غلام نبی کو سات لاکھ باسٹھ ہزار روپے کا ناجائز فائدہ پہونچایا۔

۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۳۰ پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

"بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی نے، اس امر کے باوجود کہ چیرالا کے جنگل کا جو ٹھیکہ ۶۵ لاکھ روپے میں حاجی کمپنی کے نام سے لیا تھا، اسے وہ چھوڑ بھاگے تھے، اور جس کے بعد کوئی دوسرا سرکاری ٹھیکہ انھیں نہیں ملنا چاہیئے تھا۔ اپنے بھائی کی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر اسی جنگل کا ٹھیکہ جے، کے ٹمبر کمپنی کے نام سے دوبارہ ۵۲ ہزار میں حاصل کیا۔ یہ اس اعتبار سے بھی عام قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی تھی کہ اس کے لیے صرف

بخشی غلام نبی ہی کا ایک ٹنڈر تھا، جو قبول کر لیا گیا۔"

اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل، نے کمیشن کو بتلایا کہ کنزرویٹر جموں، نے بھدروا فارسٹ ڈویژن کے جرالا جنگل میں کمپارٹ منٹ نمبر ۴ (ب)، ۵، ۶ و کے لیے دسمبر ۱۹۵۹ء میں ٹنڈر طلب کیے، جو ۶ر جنوری ۱۹۶۰ء کو کھولے گئے۔ اس کے لیے بہت سے ٹنڈر داخل کیے گئے تھے، جن میں حاجی اینڈ کمپنی کا سب سے زیادہ۔ یعنی ۱۱،۶۵،۰۰۰،۱۱ روپے کا تھا۔ حاجی کمپنی میں بخشی غلام نبی اور غنی جو، برابر کے شریک تھے۔

حاجی کمپنی کے ٹنڈر پر غنی جو کے دست خط تھے، جو بخشی غلام نبی کے کہنے سے کیے گئے تھے۔ ۶ر جنوری ۱۹۶۰ء کو جب ٹنڈر کھولے گئے تو کنزرویٹر آف فارسٹس کے دفتر میں بخشی غلام نبی اور غنی جو دونوں موجود تھے۔ متعلقہ افسر نے ہر ٹنڈر کی رقم کو پڑھ کر سب کے سامنے سنائی، اور وہاں جو فارسٹ افسر موجود تھے، ان سب نے بخشی غلام نبی کو ان کے ٹنڈر کی کام یابی پر مبارک باد دی۔

۸ر جنوری ۱۹۶۰ء کو جموں کے کنزرویٹر آف فارسٹس نے چیف کنزرویٹر کو اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ

"یہی سب سے بڑی رقم کا ٹنڈر رہے جو باضابطہ، معقول اور مناسب ہے، اس لیے اس کے قبول کیے جانے کی سفارش کی جاتی ہے۔"

اسی طرح منزل بہ منزل گزرتا ہوا یہ ٹنڈر منظور ہو گیا۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۰ء کو

ایک سرکاری حکم نے بھی اس کی توثیق کردی۔ اس کے بعد ۲۰ جنوری ۱۹۶۰ء کو کنزرویٹر جموں نے حاجی کمپنی کو مطلع کیا کہ زرِ ضمانت کی بقیہ رقم جمع کرکے معاہدے پر دستخط کردیے جائیں۔ لیکن حاجی کمپنی سے کوئی بھی اس کام کے لیے حاضر نہ ہوا تو ۱۰ فروری کو یاد دہانی کی تحریر بھی بھیجی گئی۔

اسی درمیان میں حاجی کمپنی نے غنی جو کے دستخط سے ایک درخواست محکمہ جنگلات کے وزیرِ مملکت کی خدمت میں گزرانی، اس درخواست پر تو کوئی تاریخ درج نہیں ہے، لیکن اس کی وصول یابی کی تاریخ ۱۳ فروری ۱۹۶۰ء ہے۔ اس درخواست میں کہا گیا تھا کہ ٹنڈر میں رقم لکھتے وقت غلطی سے ۵۶ لاکھ کی جگہ پر ۶۵ لاکھ لکھ دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ان کی یہ بات اگر تسلیم نہ کی گئی تو وہ معاہدہ نہ کریں گے۔ وزیرِ مملکت نے یہ درخواست چیف کنزرویٹر کو بھیجتے ہوئے لکھا کہ ٹھیکے دار نے جو دلیل پیش کی ہے، اس میں کوئی وزن نہیں ہے۔ اسے بلا کر دریافت کیا جائے کہ وہ ۶۵ لاکھ ۱۱ ہزار روپے کی رقم قبول کرنے پر تیار ہے یا نہیں؟ اگر وہ تیار نہ ہو تو ضمانت کی رقم ضبط کرلی جائے، اور حسبِ قاعدہ آئندہ اس محکمے کا کوئی بھی ٹھیکہ اس کمپنی کو نہ دیا جائے۔ اس حکم پر عمل درآمد کرتے ہوئے متعلقہ کمپنی کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔ اسی درمیان میں بخشی غلام محمد کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چیف کنزرویٹر نے وزیرِ جنگلات کو اطلاع دی کہ اور حلقوں کے ساتھ ساتھ، جن کے لیے کوئی ٹنڈر موصول نہیں ہوئے تھے، اس کے ٹھیکے کے لیے بھی دوبارہ ٹنڈر طلب کیا جائے۔

سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کمیشن کو توجہ دلائی کہ حاجی کمپنی کی یہ دلیل قطعاً قبول نہیں ہے کہ ۵۶ لاکھ کی جگہ پر غلطی سے ۶۵ لاکھ لکھ دیا گیا تھا، کیوں کہ رقم عدد ہی میں نہیں بلکہ حروف میں بھی لکھی گئی تھی، اسی سلسلے میں سرکاری وکیل نے یہ بھی کہا کہ جب اس ٹنڈر کی رقم پڑھ کر سنائی گئی تو اس وقت اس غلطی کی طرف کوئی توجہ نہیں دلائی گئی تھی۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو اس طرف بھی متوجہ کیا کہ محکمہ جنگلات کی یاددہانیوں کے باوجود ٹھیکے داروں نے محکمے میں حاضر ہونا غیر ضروری سمجھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ بخشی غلام محمد نے اپنے بھائی بخشی غلام نبی کو یقین دلایا ہوگا کہ وہ اس ٹھیکے کے لیے دوبارہ ٹنڈر طلب کرالیں گے۔

اس ٹھیکے کے لیے ۱۹ فروری ۱۹۶۰ء کو جب دوبارہ ٹنڈر طلب کیا گیا تو صرف ایک ہی ٹنڈر موصول ہوا، جو باون ہزار روپے کا تھا، اور جے، کے ٹمبر کمپنی نے داخل کیا تھا۔ اس پر بخشی غلام حسین کے ایک ملازم ظفر حسین کے دست خط تھے۔ اس کمپنی کے مالک غلام نبی اور غنی جو کے علاوہ ان کے بیٹے اور دو بھتیجے بھی تھے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ مالکان کمپنی نے خود اپنے دست خط کرنے سے ارادی طور پر گریز کیا تھا۔ پہلے بھی ان ہی لوگوں نے حاجی کمپنی کے نام سے ٹنڈر داخل کیا تھا۔ اور اس کمپنی کا زرِ ضمانت ضبط ہو چکا تھا، اس لیے دوبارہ اس کمپنی کے نام سے ٹنڈر داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب دوبارہ اس کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لیے ان ہی لوگوں نے ایک فرم جے، کے ٹمبر کمپنی کے نام سے

کھڑی کی تھی۔

سرکاری وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ اس ٹنڈر میں رقم کا اندراج اس مشتبہ طریقے سے کیا گیا تھا کہ اسے ۵۳ لاکھ بھی پڑھا جاسکتا تھا، یا مصلحت کے مطابق ٹھیکے دار اس میں تبدیلی کرسکتا تھا۔ ساتھ ہی نوٹس کی دفعہ ۷ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رقم حروف میں نہیں لکھی گئی تھی اور اسی مقصد کے لیے جو خانہ تھا، خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ سرکاری وکیل نے اس طرف بھی کمیشن کو توجہ دلائی کہ جموں کے کنزرویٹر آف فارسٹس نے جے، کے ٹمبر کمپنی کے ٹنڈر کو قبول کرنے کی سفارش کرتے ہوئے جو وجوہ بیان کئے تھے، وہ ان سے متضاد تھے جو حاجی کمپنی کا ٹنڈر قبول کرنے کے لیے پیش کئے گئے تھے۔ بہرکیف چیف کنزرویٹر نے، اپنے ماتحت کی سفارش کی توثیق کرتے ہوئے، اسے محکمہ جنگلات کے ڈپٹی سکریٹری کے پاس بھیج دیا۔ متعلقہ دفتر نے اس ٹنڈر پر لکھا کہ:

"جے، کے ٹمبرس نے ۵۲ لاکھ روپے کا ٹنڈر داخل کیا ہے۔ موجودہ اور سابقہ ٹنڈر میں تیرہ لاکھ روپے کا فرق ہے۔ سابق میں یہ دستور رہا ہے کہ ایسی حالت میں دوبارہ ٹنڈر طلب کیا جائے۔"

ڈپٹی سکریٹری نے اپنے نوٹ میں اتنا اضافہ کیا کہ:

"گورنمنٹ کی پالیسی یہ ہے کہ جب ایک ہی ٹنڈر داخل کیا گیا ہو خواہ وہ کتنی ہی بڑی رقم کا کیوں نہ ہو، تو اسے قبول نہ کیا جائے! اس معاملے میں بھی ہماری سفارش یہی ہونی چاہیے کہ پھر ٹنڈر طلب

کیا جائے۔"

ان تمام اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے محکمہ جنگلات کے وزیر مملکت نے ۱۴ر مارچ ۱۹۶۰ء کو کنزرویٹر اور چیف کنزرویٹر کی سفارشات سے اتفاق کرتے ہوئے اس ٹنڈر کو قبول کرنے کے احکام لکھ دئے۔ اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی لکھا کہ یہ حکم پرائم منسٹر کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا جائے۔

سرکاری وکیل نے کہا کہ اصولاً اس ٹھیکے کے لیے پھر سے ٹنڈر طلب کرنا چاہیئے تھا یا کم از کم محکمہ مال سے استصواب کرنے کے بعد ہی کونسل کو بھیجنا چاہیئے تھا۔ جنگلات کے وزیر مملکت نے محکمے کے سکریٹری اور ڈپٹی سکریٹری کے اندراجات کو نظر انداز کر کے ٹنڈر منظور کئے جانے کے احکام صادر کروائے۔

وزیر مملکت کا متذکرہ بالا حکم ۱۴ر مارچ ۱۹۶۰ء کو جاری ہوا تھا! اسی روز محکمہ جنگلات کے چیف سکریٹری نے، وزیر مملکت کی زبانی ہدایت کے مطابق، چیف کنزرویٹر کو اس حکم کی اطلاع دی۔ اور اس سلسلے میں ڈپٹی سکریٹری نے اس دستاویز کے حاشیے پر "اِف، ام (فارسٹ منسٹر) کی زبانی ہدایت کے مطابق" لکھنا ضروری سمجھا تھا۔ یہ عبارت شاید اس بات کے پیش نظر لکھی گئی تھی کہ یہ کارروائی ناجائز ہے۔ اسی عبارت کے نیچے ۱۶ر مارچ ۱۹۶۰ء کو متعلقہ وزیر نے "ملاحظہ کی گئی" لکھا ہے۔

سرکاری وکیل نے اس امر کی طرف بھی کمیشن کو توجہ دلائی کہ ۱۴ر مارچ ہی کو یہ حکم چیف کنزرویٹر کو ملا۔ اسی دن کنزرویٹر جموں کو اس نے اس کی

اطلاع دی۔ اسی روز باضابطہ معاہدہ بھی ہوگیا، اور پھر اسی روز کام شروع کر دینے کے احکام بھی جاری ہوگئے۔ ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ میں ان تمام منزلوں کا طے ہو جانا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ جلد بازی صرف اس نیت سے کی گئی تھی کہ وزرا کی کونسل کے سامنے پیش ہونے سے پہلے تمام کارروائیاں ہو جائیں، تاکہ اس کی تصدیق کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ رہے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۶۶ء کو کمیشن کے سامنے الزام نمبر ۳۱ پیش کیا گیا، جو یہ تھا:

"حاجی غلام نبی نور دین کمپنی نے، جو جنگلات کی ٹھیکہ داری کا کام کرتی تھی، اور جس میں بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی حصہ دار تھے، بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کو ناروا طور پر استعمال کر کے تیرہ لاکھ روپے کے لگ بھگ ناجائز طور پر پیدا کیا۔ یہ رقم لنگیٹ فارسٹ ڈویژن میں جنوبی لولاب کے نمبر ۵۳ (ب) و ۵۴ (الف و ب) کی رائیلٹی کی معافی کی شکل میں جنگلات کے محکمے سے حاصل کی گئی۔"

مندرجہ بالا الزام کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جنگلات کے محکمے نے لنگیٹ ڈویژن

یں راج وار کے کمپارٹ منٹ نمبر ۹ بنزکام راج ڈویژن میں جنوبی لولاب کے نمبر ۵ (ب) اور ۵۴ (الف و ب) کے لیے ٹنڈر طلب کئے۔ ۵ نومبر ۱۹۵۸ء کو جب محکمے نے ٹنڈر کھولے تو جملہ نمبروں کے لیے حاجی غلام نبی نور دین کمپنی کے ٹنڈروں کی رقمیں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی راجوار نمبر ۹ کے لیے ۲۲ لاکھ ۶۱ ہزار اور جنوبی لولاب کے نمبروں کے لیے ۲۰ لاکھ ۱۱ ہزار۔ ۱۴ نومبر ۱۹۵۸ء کو سرکاری حکم نمبر FST/ ۱۰۵ کے مطابق یہ ٹنڈر قبول کر لئے گئے۔ طرفین نے معاہدوں پر دستخط کر دئے اور کام شروع کرنے کے احکام بھی جاری ہو گئے۔ کام شروع ہونے کے ایک مہینہ بعد حاجی غلام نبی نور دین کمپنی نے بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی کی معرفت وزیر جنگلات کو براہ راست درخواست دلوائی کہ راج وار کے نمبر ۹ میں ۳۰ فی صدی درخت ناقص ہیں۔ یہ درخواست کشمیر ڈویژن کے کنزرویٹر آف فارسٹس کو بھیج دی گئی، جنھوں نے ۵ جنوری ۱۹۵۹ء کو اس کی ایک نقل لنگیٹ ڈویژن کے ڈویزنل فارسٹ افسر کو موقعہ کا معائنہ کر کے رپورٹ کرنے کے لیے بھیج دی۔ ڈویزنل فارسٹ افسر نے ایک خط مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۵۹ء کے ذریعے ٹھیکے داروں کو معائنے کے لیے موقعہ پر موجود رہنے کی ہدایت کی، جس کی پابندی نہیں کی گئی۔ لیکن ۱۴ جولائی ۱۹۶۰ء کو پہلی درخواست کے چھ مہینے بعد، اس کمپنی نے وزیر جنگلات کو دوبارہ درخواست دی، جس میں سابقہ درخواست کی یاد دہانی کرتے ہوئے رائلٹی کی رقم میں معافی دینے کا جلد فیصلہ کرنے

کی استدعا کی گئی تھی۔ یہ درخواست ۲۸ جولائی کو چیف کنزرویٹر کے پاس تحقیقات اور رپورٹ کرنے کے لیے بھیج دی گئی۔ رینج افسر راج وار نے معائنے کے بعد ۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اس کے اندازے کے مطابق ۱۵ فی صدی سے زیادہ خرابی نہیں ہے۔ زینہ بہ زینہ یہ رپورٹ چیف کنزرویٹر کے دفتر میں پہونچی تو اس نے محکمہ جنگلات کے سکریٹری کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:

"۱۵ فی صدی تک خرابی کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ اور ٹھیکے دار نے چوں کہ اپنے ذخیرے کا بیشتر حصہ نکال دیا ہے اس لیے مجموعی طور پر جائزہ لینے اور نقصان کا تخمینہ کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔"

سرکاری وکیل نے کمیشن کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ چیف کنزرویٹر نے اپنی متذکرہ بالا رپورٹ کے بعد بھی اس درخواست کو اس فہرست میں شامل کر لیا جو درختوں کی خرابی کی وجہ سے رائلٹی کی معافی کے لیے قابل غور تھیں۔ اس سلسلے میں محکمہ جنگلات کے افسروں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس نے حاجی غلام نبی نور دین کمپنی کی درخواست پر رائلٹی میں ۴۰ فی صد معافی کی سفارش کی۔ سرکاری وکیل نے اس کمیٹی کے ایک ممبر کے بیان حلفی کے حوالہ سے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے اپنے بھائی بخشی غلام نبی کا خیال رکھنے کی ہدایت کی تھی، اور اس ممبر نے دوسرے ممبروں کو بھی اس سے باخبر کیا تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ نقصان کا تخمینہ ۱۵ سے بڑھا کر

۴۰ فی صدی قرار دیا گیا۔

کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ چیف کنزرویٹر نے اپنی رپورٹ بھی منسلک کرتے ہوئے ۹ فروری ۱۹۶۲ء کو سکریٹری جنرل ڈپارٹمنٹ سے سفارش کی کہ رائلٹی کی ۰۰۰ر۶۱ر۲۲ کی رقم میں سے ۳۰ فی صدی یعنی ۳۰۰ر۸۷ر۶ روپے کی معافی دی جائے۔ سکریٹری گورنمنٹ نے معافی کی اس رقم کو بڑھا کر ۰۰۰ر۲۰ر۷ روپے کردی۔ بالآخر معافی کی یہی رقم گورنمنٹ نے بھی اپنے حکم مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۶۳ء کو منظور کر لی۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے جنوبی لولاب کے تین نمبروں — ۵۳ (ب) اور ۵۴ (الف و ب) کی معافی کے قصے پر بحث کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام نبی نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۰ء کو حاجی غلام نبی نوردین کمپنی کی طرف سے متذکرہ بالا نمبروں میں درختوں کی خرابی کی بنا پر رائلٹی میں معافی کی درخواست دی۔ سکریٹری محکمہ جنگلات نے اس کی نقل ۲۰ جولائی ۱۹۶۰ء کو چیف کنزرویٹر کو روانہ کی، جس نے ۴ اگست کو کنزرویٹر کے حوالے کی اور کنزرویٹر نے اسے ڈویژنل فارسٹ افسر کو اسسٹنٹ کنزرویٹر سے تحقیقات کرانے کے لیے بھیج دی۔

اسی درمیان میں کمپنی ہذا نے چیف کنزرویٹر کو ایک درخواست دی، جس میں سابقہ درخواست کے حوالے سے، جو وزیر جنگلات کو دی گئی تھی

جلد کارروائی کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ اس درخواست پر بھی بخشی غلام نبی ہی کے دست خط تھے۔ یہ درخواست رینج افسر کو بھیجی گئی جس نے حاجی غلام نبی نور دین کمپنی کے نمائندے کی معیت میں ان نمبروں کا معائنہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ درختوں کی کٹائی کے بعد لٹھے چوں کہ بہائے جا چکے تھے، اس لیے صرف ٹھنٹھ کا اس نے معائنہ کیا، جن میں ۵۴۴۳ میں سے صرف ۴۰۸ درختوں کے ٹھنٹھ ناقص نکلے۔ اس رپورٹ کے بعد ڈویزنل فارسٹ افسر نے رینج افسر دوآبگہ کو متعین کیا کہ وہ لٹھوں کے ڈپو میں، جہاں بہا کر وہ لائے جاتے ہیں، جا کر معائنہ کر کے ناقص لٹھوں کی فہرست مرتب کرے۔ اس افسر نے ڈپو میں موجود لٹھوں کا معائنہ کرنے اور کمپنی کے کھاتوں میں ان لٹھوں کا حساب کتاب دیکھنے کے بعد جو "آراہل" کو بھیجے جا چکے تھے، رپورٹ کی کہ ۱۵ سے ۲۰ فی صدی تک خرابی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

ڈویزنل فارسٹ افسر نے متذکرہ بالا دونوں رپورٹوں کو کنزرویٹر آف فارسٹس، نارتھ سرکل، سری نگر کو بھیجتے ہوئے ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۶۰ء کو لکھا کہ وہ ان رپورٹوں سے متفق ہے اور اس درخواست کے سلسلے میں کسی معافی کی سفارش نہیں کی جا سکتی۔ کنزرویٹر نے اس رپورٹ کی بنیاد پر یکم دسمبر ۱۹۶۰ء کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے چیف کنزرویٹر کو لکھا کہ ۱۵ فی صدی خرابی کی رپورٹ سے اسے اتفاق ہے۔ چیف کنزرویٹر نے سکریٹری جنرل ڈپارٹمنٹ کو ان رپورٹوں سے مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ ۱۰ تا ۱۵ فی صدی

خرابی پر عموماً کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

چیف کنزرویٹر نے ۱۰ مئی ۱۹۶۱ء کو درختوں کی خرابی کی درخواستوں پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی، جس میں حاجی غلام نبی نوردین کمپنی کی درخواست کو بھی، اپنی متذکرہ بالا رپورٹ کے باوجود، شامل کر دیا۔

سرکاری وکیل نے چیف کنزرویٹر کے اس رویے پر بحث کرتے ہوئے کمیشن کو توجہ دلائی کہ یہ کوئی حقیقی کمیٹی نہیں تھی بلکہ اس کا تقرر بدنیتی پر مبنی تھا، جس کا مقصد صرف بخشی غلام محمد کے عزیزوں کو ناجائز فایدہ پہونچانا تھا۔ تمام رپورٹوں کو نظر انداز کرنے کا چیف کنزرویٹر کے پاس اور کوئی طریقہ نہیں تھا، اسی لیے شاید اس نے یہ کمیٹی مقرر کی تھی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ ان حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کمیٹی بخشی غلام ہی کے اشارے پر مقرر کی گئی تھی۔

کمیٹی نے متعلقہ نمبروں کا، جون ۱۹۶۱ء کے پہلے ہفتہ میں معائنہ کیا۔ بخشی غلام نبی بھی اس معاینہ کے وقت کمیٹی کے ساتھ رہے انھوں نے ناقص درختوں کی ایک فہرست بھی پیش کی۔ سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے بتلایا کہ لٹھے نہ تو جنگل ہی میں تھے اور نہ ڈپو میں، جس کا معائنہ کرنے کے بعد کمیٹی کسی نتیجے پر پہونچ سکتی تھی۔ کمیٹی کے سامنے صرف وہی فہرست تھی، جو ٹھیکے دار ہی نے پیش کی تھی۔ چناں کمیٹی نے ۱۹ اگست ۱۹۶۰ء کو جو رپورٹ پیش کی وہ بھی صرف اسی فہرست پر مبنی تھی۔ وکیل نے کمیشن کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے پیراگراف

۲ میں سرو کے درختوں میں صرف ۱۵ سے ۲۰ فی صدی تک خرابی ظاہر کی تھی، لیکن اسی رپورٹ کے پیراگراف ۵ میں سروہی کی خرابی کا تناسب ۴۴ فی صدی بتلایا گیا ہے، اور یہ تناسب ٹھیکے دار کی مہیا کی ہوئی فہرست ہی پر مبنی تھا۔

چیف کنزرویٹر نے اسی رپورٹ کو سامنے رکھ کر اصل رائلٹی میں سے ۵ لاکھ ۶۱ ہزار کی رقم معاف کرنے اور رائلٹی کی بقیہ رقم میں سے ۲۰ فی صدی کم کرنے کی سفارش کی۔ اس حساب سے معافی کی مجموعی رقم ۸ لاکھ ۵۱ ہزار ہوگئی۔ حکومت نے ۱۰ اپریل ۱۹۶۳ء کو اس سفارش پر غور کرتے وقت یہ رقم کم کر کے ۶ لاکھ ۳۴ ہزار کردی۔ یہ کمی محکمۂ مالیات کے وضع کردہ اس اصول پر مبنی تھی کہ کمیٹی کی سفارش کا ۸۰ فی صدی حصہ منظور کیا جائے۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ رینج افسر سے لے کر چیف کنزرویٹر تک سب ہی افسروں نے لکھا تھا کہ درختوں میں مشکل ہی سے کوئی خرابی ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ اور ۱۵ سے ۲۰ فی صدی خرابی کو خرابی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں وکیل نے ان بیانات حلفی کا بھی ذکر کیا جو جنگلات کے مختلف افسروں نے پیش کیے تھے، اور جن میں اس کا اعتراف کیا گیا تھا کہ بخشی غلام محمد ہی کے اشارہ پر خرابی کے اعداد وشمار بڑھا چڑھا کر لکھے گئے تھے۔

۶

۱۵ جون ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۶ پر بحث شروع کی، جس کا تعلق ٹرانسپورٹ کے محکمے سے تھا۔ الزام یہ تھا:

"(الف) ۱۹۵۷ء تک ریاست جموں وکشمیر میں ٹاٹا مرسیڈیز بنز گاڑیوں کی اجنسی نیشنل گیرج (جموں) کے مالک سی، ال، گلاٹھی کے پاس تھی۔ ۱۹۵۶۔ ۱۹۵۷ء میں بخشی غلام محمد نے سی، ال، گلاٹھی اور ٹاٹا انجینیرنگ اینڈ لوکر موٹیوز کمپنی پر بے جا دباؤ ڈالا۔ (خصوصاً ٹاٹا کمپنی پر۔ ریاست کے لیے گاڑیاں فراہم کرنے کے آرڈر کو روک کر)، تاکہ ٹاٹا کمپنی کی اجنسی ریاست جموں وکشمیر میں دو حصوں میں تقسیم کر دی جائے۔ سی، ال، گلاٹھی کو جموں کے لیے اور بخشی غلام کے بیٹے بخشی بشیر احمد کو کشمیر کے صوبے کے لیے اجنٹ مقرر کیا جائے۔

"(ب) بخشی غلام محمد کی تجویز پر یہ تقسیم جوں ہی عمل میں آئی، ٹرانسپورٹ کے محکمے کے لیے ایک سو مرسیڈیز بنز گاڑیوں کی خریداری کا

حکم، جو ایک عرصے سے رکا ہوا تھا، جاری کرنے کی تجویز پیش کی گئی، جسے بخشی غلام محمد نے، ٹرانسپورٹ منسٹر کی حیثیت سے، منظور کیا۔ یہ آرڈر فیرڈیل موٹرس کمپنی کو دیا گیا، جس میں بخشی بشیر احمد کا حصہ تھا، اور جس کے پاس اب ٹاٹا مرسیڈیز گاڑیوں کی ایجنسی تھی۔

"(ج) پھر سو گاڑیوں کے آرڈر (متذکرہ ب) کو بڑھا کر ۱۲۰ کر دیا گیا اسی سلسلے میں فیرڈیل موٹرس کمپنی کو ۳۳ لاکھ روپیہ ان گاڑیوں کے خریداری کے لیے بطور پیشگی دے دیا گیا، جو خلاف قاعدہ تھا، اور یہ گاڑیاں ایک مدت کے بعد فراہم کی گئیں۔

"(د) فیرڈیل موٹرس کمپنی نے ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۴ء تک اس ایجنسی کے ذریعے ۱۲۸۹ گاڑیاں فروخت کی، جس کا مجموعی کمیشن اس کمپنی کو بیس لاکھ روپیہ ملا۔

"(ہ) اس طرح بخشی غلام محمد نے وزیر اعظم ہونے کی اپنی حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر اپنے بیٹے کو صوبہ کشمیر کے لیے ٹاٹا مرسیڈیز بنز گاڑیوں کی ایجنسی دلا کر اس کے لیے ایک عظیم منافع کی چلتی ہوئی تجارت پیدا کی۔"

سرکاری وکیل نے اس قصے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ حکومت کا دعویٰ یہ ہے کہ بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کا

فایدہ اٹھاکر سی، ال، گلاٹھی پر بے جا دباؤ ڈالا کہ ریاست جموں و کشمیر کے لیے ٹاٹا موٹر کمپنی کی جو اجنسی ان کے پاس ہے، اسے دو حصوں میں بانٹنے کی تجویز قبول کرلیں۔ ٹاٹا کمپنی کی سو گاڑیوں کے خریدے جانے کا آرڈر روک کر انھوں نے ٹاٹا کمپنی پر بھی اسی بات کے لیے دباؤ ڈالا۔ سرکاری وکیل نے اسی سلسلے میں بتلایا کہ یہ دباؤ اس لیے ڈالا گیا تھا کہ بخشی غلام محمد اپنے بیٹے بخشی بشیر احمد کو موٹر کے کاروبار میں لگانا چاہتے تھے، جنھوں نے انگلستان اور جرمنی میں موٹر کے کام کی ٹریننگ لی تھی اور جو حال ہی میں واپس لوٹے تھے۔

سی، ال، گلاٹھی اس تجویز کو قبول کرنے پر جب تیار نہ ہوئے، تو بخشی غلام محمد نے ٹرانسپورٹ کے محکمے کو ہدایت کی کہ ان سو گاڑیوں کی فرمایش روک لی جائے، جن کی خریداری کے احکام جاری ہونے ہی والے تھے۔ اس کا علم سی، ال، گلاٹھی کو بھی ہو گیا، اور اسی سے غالباً پوری صورتِ حال بھی ان پر واضح ہو گئی، اور جیسا کہ انھوں نے خود بیان کیا ہے پورے کاروبار سے ہاتھ دھونے سے بہتر یہی تھا کہ آدھے کاروبار سے وہ دست بردار ہو جائیں۔ اس اجنسی کے حصول میں، سرکاری وکیل کے بیان کے مطابق، بخشی عبدالمجید نے بھی نمایاں حصہ لیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ فیرڈیل موٹرس کمپنی دراصل اس فیروز کمپنی کی پیداوار تھی، جو بخشی خاندان کی مشترکہ ملک تھی۔

سرکاری وکیل نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ ٹلکو ٹاٹا کمپنی کے سیلز منیجر

مسٹر اناسوامی بھی اسی سلسلے میں ۲۱ر ستمبر ۱۹۵۷ء کو سری نگر آئے تھے۔ دریافت کرنے پر انھیں معلوم ہوا کہ بخشی غلام محمد پہل گام گئے ہیں، تو وہ پہل گام گئے۔ ان کے ساتھ سی، ال، گلاٹھی بھی تھے۔ ان دونوں نے بخشی غلام سے ملاقات کی، اور اسی ملاقات میں اجنسی کی تقسیم کا معاملہ طے ہو گیا۔ مسٹر اناسوامی نے بمبئی لوٹنے کے بعد ٹاٹا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو ایک رپورٹ پیش کی، جس میں اس اجنسی کے تقسیم کے اسباب انھوں نے بیان کئے ہیں۔ یہ نوٹ فایل میں موجود ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ سی، ال، گلاٹھی کی ریاست جموں و کشمیر سے بگڑ گئی ہے جس کی وجہ سے ٹلکو کے کاروبار کو نقصان پہونچا ہے، اور وہ جموں و کشمیر کے ٹرانسپورٹ کے محکمے سے آرڈر حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ انھوں نے اسی رپورٹ میں اس کا بھی ذکر کیا کہ اس وقت بھی جموں و کشمیر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو سو گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالمجید ہی ایک ایسے آدمی ہیں، جو ٹلکو کے لیے ان گاڑیوں کا آرڈر حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بخشی عبدالمجید کو کشمیر کے صوبے کے لیے اجنسی دے دی جائے۔ اور سی، ال، گلاٹھی کو صرف جموں ہی کے لئے اجنسی دی جائے، جس میں جموں و کشمیر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کا کاروبار شامل نہیں ہوگا۔ سرکاری وکیل نے اس سلسلے میں وہ دستاویزیں کمیشن کے ملاحظہ کے لیے پیش کیں، جو اجنسی دینے سے متعلق ہیں، اور جن میں پہلے بخشی عبدالمجید

ہی کا نام لکھا گیا تھا، جسے بعد میں مٹا کر بخشی بشیر احمد ولد بخشی غلام محمد بنا یا گیا۔ سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے بتلایا کہ اس فائل میں ایسے کاغذات موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایجنسی بڑی ہی منافع بخش تھی، اور صرف گاڑیوں کے بیوپار ہی سے فرڈیل کمپنی کو، جو بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد اور بیٹی شمع مہر کی ملک ہے، کمیشن کی صورت میں بیس لاکھ کے قریب روپے ملے۔

بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر احمد کے تحریری جوابات سرکاری وکیل نے پڑھ کر کمیشن کو سنائے۔ بخشی غلام محمد نے اپنے جواب میں کہا تھا کہ یہ الزام بدنیتی پر مبنی ہے۔ سی، ال، گلاٹھی پر دباؤ ڈالے جانے کا انھیں علم بھی نہیں ہے۔ محکمہ ٹرانسپورٹ کے لیے سو گاڑیوں کی خریداری روکنے کے بارے میں بھی انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ بخشی بشیر نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ ایجنسی انھوں نے خود اپنے بل پر حاصل کی تھی، اور اس میں ان کے باپ کو یا ان کی سرکاری حیثیت کے بے جا استعمال کو کوئی دخل نہیں تھا۔ سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ بخشی غلام محمد ٹرانسپورٹ کے محکمے کے وزیر تھے، اور اس محکمے کے لیے ساری خریداری ان ہی کے حکم سے عمل میں آتی تھی۔ ان ہی نے اس محکمے کے وزیر ہی کی حیثیت سے سو گاڑیوں کی خریداری کو ملتوی کر کے سی، ال، گلاٹھی اور ٹلکو کو ایجنسی تقسیم کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس سلسلے میں جو دستاویزیں پیش کی گئی ہیں وہ بھی اس الزام کو واضح طور پر ثابت کرتی

کہ سی، ال، گلاٹھی اور ٹیلکو پر یقیناً دباؤ ڈالا گیا تھا۔

۱۶/جون ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے کمیشن کے سامنے الزام نمبر ۲۲ پیش کیا، جو یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے اپنے بیٹے اور دوسرے اعزا کو مالی فایدہ پہونچانے کی غرض سے ۱۹۵۷ء میں جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے ٹاٹا مرسیڈیز بنز کے بھاری چیسس نمبری ۳۲۵/۴۶ L کی خریداری کا میسرز فیڈیل موٹرس (سری نگر) کو، جسے ان کے بیٹے ہی چلا رہے تھے، بالکل بے ضرورت آرڈر دے کر، ایسی گاڑیوں کی نکاسی کا موقع دیا، جن کی ریاست میں قطعاً کھپت نہیں تھی، اور اس طرح سے انھوں نے فیڈیل موٹرس کو ۱۴۰ ہلکے چیسس حاصل کرنے کا موقع بھی فراہم کیا، جن کی ریاست میں بہت زیادہ مانگ تھی۔ کیوں کہ ۳۲۵/۴۶ L نمبر کے ہر چیسس پر ٹاٹا کمپنی دس ہلکے چیسس کا مزید کوٹا بھی دیتی تھی، جن کی ریاست میں مانگ تھی۔"

سرکاری وکیل نے اس الزام پر بحث شروع کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی بشیر احمد نے جموں وکشمیر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے لیے ٹاٹا کمپنی کی ایجنسی جب حاصل کرلی تو بخشی غلام محمد نے

ٹرانسپورٹ کنٹرولر کو ٹاٹا بنز کی سو گاڑیوں کی خریداری کے لیے آرڈر جاری کرنے کی ہدایت کی۔ اسی سلسلے میں انھوں نے یہ زبانی ہدایت بھی دی کہ اس آرڈر میں بھاری قسم کی ۴۶/۳۲۵ L گاڑیاں بھی شامل کی جائیں بعد میں بخشی غلام محمد ہی کے حکم سے اس آرڈر میں گاڑیوں کی گنتی بڑھا کر ۱۰۳ کر دی گئی، اور اب بھاری گاڑیوں کی تعداد ۱۱۴ ہو گئی۔

حکومت کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ بھاری گاڑیوں کی ریاست میں مشکل ہی سے کھپت ہو سکتی تھی۔ اس کے برعکس، ہلکی قسم کی گاڑیاں بہت مقبول تھیں۔ مزید برآں بھاری گاڑی کی قیمت ۳۶،۰۸۰ روپے اور ہلکی کی قیمت ۱۱۲و۲۵ تھی۔ بھاری قسم کی گاڑیوں کو نکالنے کی ہمت افزائی کرنے کے لیے ٹاٹا کمپنی نے اپنے اجنٹوں سے وعدہ کیا تھا کہ ہر بھاری گاڑی کی خریداری پر دو ہزار روپے کا خاص کمیشن دینے کے علاوہ ہلکی قسم کی دس گاڑیوں کا مزید کوٹا بھی دیا جائے گا ۴۶/۳۲۵ L بھاری گاڑیوں کی خریداری کے سلسلے میں سرکاری وکیل نے مندرجہ امور کی طرف بھی کمیشن کو توجہ دلائی۔

نیشنل گیرج کمپنی (جموں) نے بھی بھاری گاڑیوں کے فروخت کے لیے ۳۵ ہزار روپے فی گاڑی کے حساب سے ٹرانسپورٹ کنٹرولر کو پیش کش کی تھی، جو بازار کے نرخ سے ایک ہزار روپے فی گاڑی کم تھی، لیکن یہ پیش کش نرخ میں کمی کے باوجود قبول نہیں کی گئی تھی، کیوں کہ ریاست میں بھاری گاڑیاں مقبول نہیں تھیں۔

یہ بھاری گاڑیاں اپنی چوڑائی کی وجہ سے جموں سری نگر شاہراہ پر نہیں چل سکتی تھیں نیز مروجہ قواعد کے مطابق یہ زیادہ بھاری وزن بھی نہیں لے جا سکتی تھیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود، بخشی غلام محمد کی ہدایت کے مطابق ۱۴۴ بھاری گاڑیوں کا آرڈر دے دیا گیا، جس کا واحد مقصد اپنے بیٹے بخشی بشیر احمد کو مالی فائدہ پہونچانا تھا۔

فیر ڈیل موٹرس کمپنی نے ان ۱۴۴ بھاری گاڑیوں کو فروخت کر کے ۲۸ ہزار روپے کا خاص کمیشن اور ۱۴۰ ہلکی گاڑیاں حاصل کیں جن کی بکری سے مزید ۱،۶۵،۹۹۲ روپے صرف کمیشن سے پیدا کیے۔

سرکاری وکیل نے مزید کہا کہ بخشی غلام محمد نے لپنے تحریری جواب میں ٹرانسپورٹ کنٹرولر کو زبانی ہدایت کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آرڈر دینا خالصتاً ٹرانسپورٹ کنٹرولر کا کام تھا۔ بخشی بشیر احمد نے اپنی صفائی میں کہا ہے کہ ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے بھاری گاڑیوں کا آرڈر صرف ان کی خوبی کی بنا پر دیا تھا، اور ان کی خریداری کے سلسلے میں بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ لیکن، سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا، ان گاڑیوں کی خریداری کا بخشی غلام محمد ہی نے حکم دیا تھا، جس کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ رہا ان بھاری گاڑیوں کی خوبی کا سوال، تو اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود ٹاٹا کمپنی نے ۱۹۵۸ء ہی میں ان کا بننا بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۲۳ پر بحث شروع کی جو یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے اپنے بیٹے بخشی بشیر احمد کو مالی فایدہ پہونچانے کی غرض سے دسمبر ۱۹۶۰ء میں ۹ بڈفورڈ گاڑیوں کی خریداری کا (۷ کشمیر موٹرس سے اور ۲ کٹھوعہ موٹرس سے) آرڈر دلایا، جن کی خریداری کے لیے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے نہ تو مطالبہ کیا تھا، اور نہ کوئی تجویز ہی پیش کی تھی۔ اس آرڈر کا مقصد صرف فیر ڈیل موٹر کمپنی کے لئے، جو خاندانی کاروبار کی تقسیم کے بعد بخشی بشیر کے حصے میں آئی تھی، سرمایہ فراہم کرنا اور اپنے بیٹے بخشی بشیر کو مالی فایدہ پہونچانا تھا۔"

سرکاری وکیل نے اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو بخشی خان دان کے مشترکہ کاروبار کی تقسیم عمل میں آئی۔ بخشی غلام محمد کے بھتیجے بخشی محمد یوسف کے نام سے کٹھوعہ موٹرس میں جو حصہ تھا، تقسیم کے بعد وہ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالمجید کو ملا، اسی طرح کشمیر موٹرس میں بخشی غلام احمد اور بخشی بشیر احمد کے جو حصے تھے، وہ بھی بخشی مجید ہی کے حصے میں آئے۔ بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد اور بیٹی مسماۃ شمع میر کو مسرز فیر ڈیل موٹر کمپنی ملی۔

ٹاٹا مرسیڈیز بنز گاڑیاں، جو جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے لیے بے حد موزوں ثابت ہوئی تھیں، ان کی خریداری کے سلسلے میں جو سرکاری پالیسی اور سرکاری فیصلہ تھا، اس کے برعکس دسمبر ۱۹۶۰ء میں ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ نے ۲ بڈ فورڈ گاڑیاں کٹھوعہ موٹرس (جموں) سے اور ۷ بڈ فورڈ گاڑیاں کشمیر موٹرس سے خریدیں۔ یہ خریداریاں بخشی غلام محمد ہی کی ہدایت سے عمل میں آئی تھیں، اور اس سلسلے میں ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے مفاد کو نظر انداز کیا گیا اور قواعد ضوابط کی بھی شدید خلاف ورزی کی گئی۔ خریداری کے سلسلے میں قاعدہ یہ تھا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے کسی شعبے کو یا خود ڈپارٹ مینٹ کو جب کسی گاڑی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق تجویز پیش کرتا۔ اس کی جانچ پرتال مختلف شعبے کرتے، اس کے بعد ہی خریداری کا آرڈر دیا جاتا۔ لیکن اس موقع پر ان تمام پابندیوں کو یک سر نظر انداز کیا گیا۔ ان ۹ بڈ فورڈ گاڑیوں کی خریداری بخشی غلام محمد کی زبانی ہدایت سے عمل میں آئی جو انھوں نے ٹرانسپورٹ کمشنر کو دی تھی۔ ان کی قیمت کی فوری ادائیگی کی بھی انھوں نے ہدایت کی تھی تاکہ بخشی بشیر احمد کو فیر ڈیل موٹرس کا کاروبار چلانے کے لیے فوری طور پر سرمایہ مل سکے۔

دستاویزوں اور بلوں کا حوالہ دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے بیان کیا کہ کشمیر موٹرس کو سات بڈ فورڈ گاڑیوں کی قیمت ۸۸٫۰۹۰ء۱ روپے ۸۰ نئے پیسے ادا کرنے کی جموں وکشمیر بینک (سری نگر) کو، اور کٹھوعہ موٹرس کو

۲ بڈفورڈ گاڑیوں کی قیمت ۴۶ ۳، ۵۶ روپے ۲۶ نئے پیسے ادا کرنے کے لیے اسٹیٹ بینک کو ہدایت نامے جاری کیے گئے۔ سرکاری وکیل نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ادائیگی کے یہ احکام بخشی غلام محمد کے چچازاد بھائی بخشی غلام احمد کے حوالے کیے گئے اور یونائیٹڈ کمرشل بینک (سری نگر) کے کھاتوں میں ۳۵ ۴، ۶ ۴، ۲ روپے ۱۲ نئے پیسے کی یہ رقم فیرڈیل کمپنی کے حساب میں منتقل کی گئی۔

بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر احمد نے اس سلسلے میں جو تحریری جوابات دیے تھے، ان کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ سرکاری دعوی کی صرف تردید کرنے ہی پر انھوں نے اکتفا کی ہے۔ بخشی غلام محمد نے اس سے انکار کیا ہے کہ ٹرانسپورٹ کمشنر کو بڈفورڈ گاڑیوں کی خریداری کے لیے انھوں نے کسی قسم کی ہدایت کی تھی۔ بخشی بشیر نے متذکرہ بالا رقموں کے وصول کرنے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا فیرڈیل کمپنی کے کھاتے میں جمع ہونا، سرکار کے آپسی انتظام کا نتیجہ تھا — جو دستاویزیں انھوں نے اپنے بیان کے ساتھ منسلک کی تھیں، ان کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اس وقت کاروبار چلانے کے لیے ان کے پاس خاصی رقم موجود تھی۔ سرکاری وکیل نے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ بینک کے حسابات اور متعلقہ دستاویزوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے پاس زیادہ رقم نہیں تھی اور انھیں روپے کی ضرورت تھی۔

بخشی غلام محمد کے جواب کی تردید کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ ٹرانسپورٹ کمشنر بذات خود گاڑیوں کی خریداری کا آرڈر نہیں دے سکتا تھا، خصوصاً اس حالت میں جب کہ ڈپارٹمنٹ کو سرے سے ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دراصل بخشی غلام محمد ہی نے یہ آرڈر دینے کا اسے حکم دیا تھا۔

۲۷ جون ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۲۴ پر بحث کی۔ الزام یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے جنوری ۱۹۶۱ء میں جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ سے فیر ڈیل موٹرس کو، جو ان کی بیوی، بیٹے، بیٹی اور دوسرے اعزا کی ملک ہے، ایک لاکھ روپے کی رقم، بے قاعدہ طور پر، پیشگی دلا کر اپنے بیٹے اور بیٹی کو ناروا مالی فایدہ پہونچایا۔"

اس الزام پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ یہ قصہ بھی بخشی خاندان کے مشترکہ کاروبار کی تقسیم کے وقت کا ہے۔ فیر ڈیل موٹرس تقسیم کے سلسلے میں بخشی کے بیٹے بخشی بشیر اور ان کی بیٹی شمع میر کے حصے میں آئی تھی، لیکن کمپنی کے کاروبار کو چلانے کے لیے ان کے پاس سرمایہ نہیں تھا۔ سرمائے کی اس کمی پر قابو پانے کے لیے بخشی غلام محمد نے فیر ڈیل کمپنی کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ سے ایک لاکھ روپیہ

پیشگی دلایا۔ انھوں نے ٹرانسپورٹ کمشنر کو حکم دیا کہ دو چیسس کی خریداری کے مد میں پچاس ہزار اور فاضل پرزوں کی خریداری کے مد میں مزید پچاس ہزار روپے فیرڈیل موٹرس کو بہ طور پیشگی دیئے جائیں۔ ٹرانسپورٹ کمشنر نے ۹ جنوری ۱۹۶۱ء کو جموں و کشمیر بینک کو یہ رقم بخشی بشیر احمد کو ادا کرنے کے احکام جاری کئے۔ اگرچہ اس وقت تک فیرڈیل موٹرس کو خریداری کے لیے کوئی فرمایش بھی نہیں بھیجی گئی تھی۔ سرکاری وکیل نے اپنے اس دعوے کے دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ ضابطے کی اس خانہ پری کے لئے آرڈر ۹ جنوری ہی کو جاری کیا گیا، اگرچہ اس پر تاریخ ۷ جنوری کی ڈالی گئی۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے کمیشن کو ٹرانسپورٹ کمشنر کے دفتر کے رجسٹر روانگی خطوط کی طرف توجہ دلائی، جس میں تاریخ اور نمبر سلسلہ روانگی خطوط میں تبدیلی کرنے کے واضح نشانات پائے جاتے ہیں۔

فیرڈیل موٹرس کے متذکرہ بالا آرڈر کے سلسلے میں سرکاری وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ گاڑیاں فراہم کرنے کا جو آرڈر دیا گیا تھا، اس کی کبھی تعمیل ہی نہیں کی گئی، اور گاڑیوں کی جگہ پر "ٹائر دے دیئے گئے" جن کے لیے کوئی آرڈر نہیں دیا گیا تھا۔ رہا فاضل پرزوں کا معاملہ وہ بھی فیرڈیل موٹرس نے، اپنی سہولت کے مطابق، کوئی چودہ مہینوں میں جھیلے گئے۔

سرکاری وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے متعلقہ کاغذات سے واضح ہوتا ہے کہ فیرڈیل کمپنی کو ایک لاکھ روپے

کی ادائیگی کے لیے جو سندی تحریر دی گئی تھی، اس پر متعلقہ افسر کے دست خط یہ دکھلانے کے لیے کرائے گئے تھے کہ محکمے نے اس کی جانچ کر لی ہے اور وہ ضابطے کے اندر جاری کی گئی ہے۔ لیکن، حکومت کا کہنا یہ ہے کہ بخشی غلام محمد نے، جو اس وقت وزیر اعظم تھے، متعلقہ افسر کو اپنی کوٹھی پر بلا کر، بخشی بشیر احمد کی موجودگی میں، اس تحریر پر دست خط کرائے تھے۔

بخشی غلام محمد نے اپنے تحریری جواب میں حسب سابق تمام باتوں سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی۔ بخشی بشیر احمد نے اس پر اصرار کیا کہ ۷ر جنوری ۱۹۶۱ء ہی کو دو مختلف سرکاری محکموں کے لیے دو گاڑیوں کے آرڈر دیے گئے تھے۔ لیکن ان سرکاری دستاویزوں اور بیانات حلفی کی تردید کے ثبوت وہ پیش نہ کر سکے، جن کے بل پر حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ ۹ر جنوری کے خط کا، ۷ر جنوری کی تاریخ میں اندراج کرنے کے لیے رجسٹروں میں رد و بدل کیا گیا تھا۔

۶ر جولائی ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۲۵ کمیشن کے سامنے پیش کیا:

"بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کو ناروا طور پر استعمال کر کے، ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک نو بھارت ٹرانسپورٹ کمپنی نے، جو ان کے بیٹے بخشی بشیر احمد کی ملک ہے، ناجائز منفعت حاصل

کی۔ اس کمپنی نے جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ کی گاڑیوں کو جمشید پور
سے سری نگر تک پہونچانے کا ٹھیکہ لیا تھا۔ یہ گاڑیاں اگرچہ جموں ہی
میں محکمے کے حوالے کی گئیں، لیکن بخشی غلام محمد کی چشم پوشی سے
فرم کو سری نگر تک گاڑیوں کے پہونچانے کا معاوضہ ادا کیا گیا۔"

سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ نو بھارت ٹرانسپورٹرس نے جمشید پور سے گاڑیوں کے چیسس لانے کے سلسلے میں، ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۳ء کے درمیانی زمانے میں بہت سے جھوٹے بل پیش کئے۔ بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر ان کے بیٹے نے ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ سے یہ بل منظور بھی کرالئے، اور یہ بخشی غلام محمد کے علم میں ہوا۔ جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ نے دو سو گاڑیوں کی خریداری کا آرڈر ٹاٹا کمپنی کو دیا تھا۔ کمپنی کو یہ گاڑیاں، سری نگر میں دینی تھیں، اور اس سلسلے میں جمشید پور سے سری نگر تک گاڑی لانے کے لیے ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کو ۶۹۵ روپے فی گاڑی کے حساب سے دینا تھا۔ اس رقم میں عارضی رجسٹریشن اور بیمہ کے اخراجات بھی شامل تھے۔ یہ رقم بہ تدریج بڑھتے بڑھتے ۸۴۲ روپے تک جا پہونچی۔

ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے رجسٹروں کو پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ ٹرانسپورٹ کے محکمے نے یہ گاڑیاں جموں میں وصول کیں۔ ٹاٹا کمپنی کے مقررہ قاعدوں کے مطابق نو بھارت ٹرانسپورٹرس

کو بل داخل کرتے وقت ایک فارم کی خانہ پری کر کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ سے باضابطہ رسید لینی ہوتی تھی۔ اس فارم میں اور تفصیلات کے علاوہ یہ بھی درج کیا جاتا تھا کہ گاڑی کب اور کہاں محکمے کے حوالے کی گئی۔ یہ گاڑیاں اگرچہ جموں ہی تک لائی گئی تھیں، لیکن بخشی بشیر احمد نے محکمے کے متعلقہ افسر سے کہا کہ ان گاڑیوں کی وصولی سری نگر میں دکھلائی جائے بخشی بشیر احمد نے خود ہی مقام وصولی کے خانے میں سری نگر لکھ دیا، اور جموں سے سری نگر تک دو سو گاڑیوں کے لانے کا معاوضہ ناجائز طور پر وصول کر لیا۔ اسی طرح سے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے ۱۱۴ گاڑیوں کا جب دوبارہ آرڈر دیا، تو اس وقت بھی یہی ہوا۔ گاڑیاں دی تو جموں میں گئیں، لیکن فارم میں وصولی کا مقام سری نگر لکھا گیا۔ چناں چہ دوبارہ میں جو ۱۴۳ گاڑیاں نو بھارت ٹرانسپورٹرس لائے، ان کے لانے کی اجرت کے سلسلے میں ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو ۱۳۱۰۰ روپے فاضل ادا کرنے پڑے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ یہ نتیجہ تھا بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال کا، جس کا انھیں بھی علم تھا، اور اس سلسلے میں انھوں نے چشم پوشی برتی تھی۔

سرکاری وکیل نے بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر کے تحریری جوابات کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے واقعات سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے اور بخشی بشیر احمد نے نو بھارت ٹرانسپورٹرس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے

یونائٹیڈ کمرشل بینک کے کھاتوں سے ثابت کیا کہ نو بھارت ٹرانسپورٹرس کے مالک بخشی بشیر احمد ہی تھے۔

سرکاری وکیل نے اس کے بعد مندرجہ ذیل الزام نمبر ۲۶ پر بحث شروع کی:

" بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد پٹرول کا کاروبار شروع کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کے پاس تیل ڈھونے والی گاڑیاں نہیں تھیں۔ جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ نے، جنوری ۱۹۶۳ء میں تین سواری گاڑیوں کے چیسس کے عوض میں تیل ڈھونے والی گاڑیاں دے کر بخشی بشیر کی یہ مشکل آسان کر دی۔ یہ عام قاعدوں کی خلاف ورزی تھی، جو بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کے ناجائز اثر سے عمل میں لائی گئی تھی۔"

سرکاری وکیل نے بیان کیا کہ سواری گاڑیوں کے چیسس سے تیل ڈھونے والی گاڑیوں کا تبادلہ بخشی غلام محمد کے حکم ہی سے عمل میں آیا تھا۔ وکیل نے دستاویزیں پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ خود بھی تیل ڈھونے کا کام کرتا تھا، اور ہندستانی فوج کے لیے، ۱۹۶۲ء میں، پٹھان کوٹ سے سری نگر اور لیہ تک تیل کی ڈھلائی کا کام کیا بھی تھا۔ ۱۹۶۲ء کے وسط میں انڈین آئیل کمپنی نے بھی ٹرانسپورٹ

ڈپارٹ منٹ سے تیل کی ڈھلائی کا نرخ دریافت کیا تھا، اور اس کے جواب میں نرخ بتلایا گیا تھا۔ بلکہ ڈپارٹ منٹ نے کمپنی کو یہ بھی اطلاع دی تھی کہ تیل لے جانے والی بڑی گاڑیوں کو یکم ستمبر ۱۹۶۲ء سے ڈھلائی کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ پٹھان کوٹ سے جموں اور کشمیر کے مختلف مقامات تک تیل کی ڈھلائی کا کام بہت منافع بخش تھا۔ اور ایک سواری لاری کی کمائی سے کہیں زیادہ تیل ڈھونے والی گاڑیوں سے آمدنی ہوتی تھی۔ بلکہ خود ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ نے، ڈھلائی کے بڑھتے ہوئے کاروبار کے پیش نظر، تیل ڈھونے والی گاڑیوں میں اضافہ کرنے کے لیے مزید گاڑیوں کا آرڈر دیا تھا۔

سرکاری وکیل نے بیانات حلفی اور دوسری دستاویزوں کے حوالے سے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد کو تیل کی ڈھلائی کے کاروبار کی طرف جب توجہ ہوئی تو ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کو اس میدان سے ہٹانے کے لیے بخشی غلام محمد نے ٹرانسپورٹ کمشنر سے کہا کہ انڈین آئل کمپنی کے تیل کی ڈھلائی کے پیش کش پر توجہ نہ دی جائے۔ چناں چہ ٹرانسپورٹ کمشنر نے اس معاملے کو آگے نہ بڑھایا

نومبر ۱۹۶۲ء میں ایمرجنسی کے اعلان کے بعد ایک نوٹی فی کیشن کے ذریعے گورن منٹ آف انڈیا نے ان تمام چیسوں کی بکری روک دی، جو ملک بھر کے کارخانوں میں موجود تھے۔ اس کے بعد ہی جنوری ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد نے جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کو

ہدایت کی کہ ان کے بیٹے، بخشی بشیر احمد کو، بسوں کے چیسس کے بدلے میں چار تیل ڈھونے والی لاریاں دے دی جائیں۔ سرکاری وکیل کے بیان کے مطابق یہی وہ زمانہ تھا جب بخشی بشیر احمد انڈین آئیل کمپنی سے ڈھلائی کا ٹھیکہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس تبادلے کا قانونی جواز پیدا کرنے کے لیے ٹرانسپورٹ کے محکمے نے پانچ بسوں کے چیسس حاصل کرنے کے لیے ایک نوٹ تیار کیا، اور ٹرانسپورٹ کمشنر کی منظوری سے یہ آرڈر فیرڈیل کمپنی کو بھیج دیا گیا۔ اس کے جواب میں کمپنی نے لکھا کہ بسوں کے چیسس اس شرط پر دیے جا سکتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ٹرکوں کے چیسس انھیں دیے جائیں، اور محکمے نے یہ شرط مان لی۔

سرکاری وکیل کے بیان کے مطابق بخشی غلام محمد کی خواہش اور ہدایت پر عمل کرنے کے علاوہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ چناں چہ اس تجویز کو جانچ پرتال کے بعد محکمے نے مان لیا، اور جنوری ۱۹۶۳ء میں سواری گاڑیوں کے چیسس کے عوض ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے بخشی بشیر احمد کو تین تیل ڈھونے والی گاڑیاں اور ایک ٹرک کا چیسس دے دیا۔ یہ تبادلہ سرکاری وکیل کے بیان کے مطابق، صرف بخشی غلام محمد ہی کی ہدایت سے عمل میں آیا تھا، اور اس سلسلے میں ان کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال اور ان کی چشم پوشی کو دخل تھا۔ مزید برآں یہ مقررہ اصولوں کی بھی۔

خلاف ورزی تھی اور ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے تجارتی مفاد کو بھی اس سے شدید نقصان پہونچا تھا۔

بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر احمد کے جوابات کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے اس قصے سے بھی اپنی لاعلمی و بے تعلقی ظاہر کی ہے۔ بخشی بشیر احمد نے بیان کیا ہے کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو سواری گاڑیوں کے چار چیسس کی ضرورت تھی، اور اس سلسلے میں محکمے نے فیرڈیل موٹرس کو لکھا تھا، لیکن کمپنی انھیں نقد بیچنا نہیں، بلکہ ان کا تبادلہ کرنا چاہتی تھی۔ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ نے یہ شرط مان لی اور یہ معاملہ ہوگیا۔ سرکاری وکیل نے اس پر اصرار کیا کہ بخشی بشیر کو ٹرک کے چیسس اور پٹرول ڈھونے والی گاڑیوں کی ضرورت تھی، اور یہ تبادلہ اسی ضرورت کے پیش نظر عمل میں آیا تھا اور یہ ساری خط و کتابت صرف کاغذی کارروائی تھی۔ وکیل نے یہ بھی کہا کہ یہ معاملہ دراصل گورنمنٹ آف انڈیا کے اس نوٹی فی کیشن کی بھی خلاف ورزی تھی، جس کے ذریعے تمام گاڑیوں کی فروخت بند کر دی گئی تھی، اور جو بیانات حلفی پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ معاملہ بخشی غلام محمد ہی کی ہدایت کے مطابق عمل میں آیا تھا۔

۴ جولائی ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۲۷

پر بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کر کے مسرز نو بھارت ٹرانسپورٹرس کو، جو ان کے بیٹے بخشی بشیر احمد کی ملک تھی، ریاست جموں وکشمیر میں انڈین آیل کمپنی کے سامان کی ڈھلائی کا، مارچ ۱۹۶۳ء میں ٹھیکہ دلوایا۔ اسی ٹھیکے کے لیے مسرز پونچھ کشمیر ٹرانسپورٹرس نے بھی، اس سے پہلے درخواست دی تھی اور اس کمپنی نے ڈھلائی کی جو شرح پیش کی تھی، اس سے زیادہ شرح پر یہ ٹھیکہ نو بھارت ٹرانسپورٹرس کو ملا۔"

اس الزام پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے ان باتوں کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا جو اس نے سابقہ الزام (نمبر ۲۶) کے سلسلے میں کہی تھیں۔ اس امر کی تکرار کرتے ہوئے کہ جموں وکشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ ایک کاروباری محکمہ تھا، اور جموں وکشمیر میں تیل کی ڈھلائی ایک منافع بخش کاروبار تھا، سرکاری وکیل نے بتلایا کہ انڈین آیل کمپنی نے ۱۹۶۲ء میں جموں وکشمیر کی ریاست میں تیل کی سپلائی کا کام شروع کیا — تو گورنمنٹ آف انڈیا کے مختلف مرکزوں کے لیے، جو سری نگر، اور سونا مرگ میں ہیں، ۱۹۶۲ء - ۱۹۶۳ء کے لیے تیل سپلائی کرنے کا ٹھیکہ بھی انڈین آیل کمپنی کو مل گیا۔ اس ٹھیکے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ پٹھان کوٹ سے سری نگر اور سونا مرگ تک تیل کی ڈھلائی

کا انتظام بھی آیل کمپنی ہی کو کرنا ہے۔ اسی بنا پر جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ سے بھی انڈین آیل کمپنی نے ڈھلائی کی شرح دریافت کی تھی۔ چناں چہ ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے جون ۱۹۶۲ء میں ڈھلائی کی شرح بتلاتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ یکم ستمبر ۱۹۶۲ء سے اس کام پر دو گاڑیاں لگائی جاسکیں گی اور رفتہ رفتہ ان کی گنتی بڑھادی جائے گی۔ انڈین آیل کمپنی نے ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے علاوہ بخشی غلام محمد کے چچازاد بھائی بخشی غلام احمد سے اور پونچھ کشمیر ٹرانسپورٹرس سے بھی ڈھلائی کی شرح دریافت کی تھی۔ ان میں سے پونچھ کشمیر ٹرانسپورٹرس کی شرح سب سے کم تھی، لیکن انھوں نے یہ شرط بھی لگائی تھی کہ جموں و کشمیر گورنمنٹ سے روٹ پرمٹ حاصل کرنے میں انڈین آیل کمپنی ان کی مدد کرے گی، کیوں کہ وہ خود تنہا اپنی کوششوں سے روٹ پرمٹ نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ جہاں تک ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کا تعلق ہے، سرکاری وکیل نے کہا، بخشی غلام محمد نے، جو وزیر اعظم ہونے کے علاوہ ٹرانسپورٹ منسٹر بھی تھے، ٹرانسپورٹ کنٹرولر کو ہدایت کی تھی کہ انڈین آیل کمپنی سے معاملہ نہ کیا جائے، کیوں کہ ان کے بیٹے بخشی بشیر احمد کو اس معاملے سے دل چسپی تھی۔

جہاں تک روٹ پرمٹ کی منظوری کا تعلق ہے، سرکاری وکیل نے کمیشن کو سرکاری کاغذات دکھلائے کہ وہ کلیتاً بخشی غلام محمد نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا تھا، اور انڈین آیل کمپنی کی خط و کتابت کی طرف بھی

توجہ دلائی، جس میں یہ بات واضح طور پر تسلیم کی گئی تھی کہ جہاں تک روٹ پرمٹ کا تعلق ہے، وہ بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ چناں چہ انڈین آئیل کمپنی کے نمائندے نے بخشی بشیر احمد سے اس سلسلے میں بات چیت کی اور ڈھلائی کے ٹھیکے کا کام اپنی بتائی ہوئی شرح پر وہ قبول کرنے پر تیار ہو گئے، جو پونچھ کشمیر ٹرانسپورٹرس کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اسی سلسلے میں وکیل نے یہ بات بھی دہرائی، جو اس نے الزام نمبر ۲۶ کے باب میں بھی کہی تھی کہ بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کر کے اپنے بیٹے کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کی تیل ڈھونے والی تین گاڑیاں سواری گاڑیوں کے چیسس کے عوض میں دلائیں۔

سرکاری وکیل نے یہ انکشاف کیا کہ ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے اسی سلسلے میں سات روٹ پرمٹ بھی نو بھارت ٹرانسپورٹرس کے نام جاری کئے، جو بخشی بشیر احمد کی ملک تھی۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو وہ بیانات حلفی اور متعلقہ کاغذات دکھلائے جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ بخشی غلام محمد نے، جو اس وقت وزیر اعظم تھے، اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو ایک منافع بخش کاروبار سے محروم کر دیا۔ اور ان کے علم اور ان کی چشم پوشی سے انڈین آئیل کمپنی نو بھارت ٹرانسپورٹرس کو تیل کی ڈھلائی کا ٹھیکہ دینے پر مجبور ہوئی۔

بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر احمد کے جوابات کی طرف کمیشن کو توجہ دلاتے ہوئے وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے واقعات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ انھیں اس سے بھی انکار ہے کہ روٹ پرمٹ کے اجرا کے سلسلے میں وہ ہدایات دیا کرتے تھے۔ بخشی بشیر نے کہا ہے کہ تیل کی ڈھلائی کا ٹھیکہ عام حالات میں انھیں ملا تھا، اور اس میں ان کے باپ کی سرکاری حیثیت کو کوئی دخل نہیں تھا۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ مدعی علیہم نے صفائی کے ساتھ واقعات سے انکار کرنے ہی پر اکتفا کی ہے، اور اس سلسلے میں کوئی شہادت پیش نہیں کی ہے۔

۱۷ر جولائی ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۴۳ پر بحث شروع کی، جو یہ تھا:

"۱۹۵۷ء۔ ۱۹۶۳ء کے درمیانی زمانے میں، بخشی غلام محمد نے ایک لینڈ رُوور گاڑی اپنے خاندانی استعمال کے لیے خورد برد کر لی، جو سنٹرل موٹرس (کشمیری گیٹ دہلی) سے مارچ ۱۹۵۷ء میں ——— ۵۰،۰۹،۶۰،۱۷ روپے میں خریدی گئی تھی، اور جس کا عارضی نمبر جے، کے، اے ۳۰۳۰ تھا، اور جس کی قیمت دیہات سدھار ڈپارٹمنٹ کے مد سے ادا کی گئی تھی۔"

اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کمیشن کو

بتلایا کہ ۲۵ر جنوری ۱۹۵۷ء کو دیہات سدھار کے محکمے کے لیے سامان خریدنے کی غرض سے پانچ لاکھ روپے کی رقم ٹریڈ کمشنر متعینہ دہلی کے حوالے کی گئی تھی۔ بخشی غلام محمد نے اسی دوران میں دہلی کی سنٹرل موٹرس کمپنی کو ایک لینڈ روور کی خریداری کے لیے زبانی آرڈر دیا۔ اس کی تعمیل کے لیے سنٹرل موٹرس کے ایک حصے دار کشوری لال گاڑی لے کر جموں گئے اور بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر حاضر ہوئے۔ گاڑی کا معائنہ کرنے کے بعد اپنے پرسنل اسسٹنٹ کو گاڑی اپنی تحویل میں لینے کی انھوں نے ہدایت کی۔

سنٹرل موٹرس کمپنی نے اس گاڑی کی خریداری کے سلسلے میں ۱۷،۶۰۹،۵۰ روپے کا بل (نمبری ۱۶۳ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۵۷ء) ٹریڈ کمشنر کو پیش کیا۔ اس معاملے کی ٹریڈ کمشنر کو کوئی اطلاع نہیں تھی، اس کی تصدیق کے لیے اس نے بخشی غلام محمد کو ٹیلی فون کیا، اور انھوں نے اس کی وصولی کی تصدیق کرتے ہوئے ہدایت کی کہ یہ بل دیہات سدھار کے محکمے کی رقم میں سے ادا کر دیا جائے۔ اس ہدایت کے مطابق ٹریڈ کمشنر نے یہ ۱۷،۶۰۹،۵۰ روپے کا بل اسٹیٹ بینک دہلی کے چک (۳۱۹۱۲ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۷ء) کے ذریعے ادا کر کے کمپنی سے ادائیگی کی باضابطہ رسید لے لی۔

سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کمیشن کو توجہ دلائی کہ اس گاڑی کی خریداری کے لیے ڈویلپمنٹ کمشنر، دیہات سدھار، نے

نہ تو آرڈر دیا تھا، اور نہ جنوری ۱۹۵۸ء تک اس کی خریداری کا اسے کوئی علم ہی تھا۔ اس بیان کی تائید میں سرکاری وکیل نے اس خط وکتابت کا حوالہ دیا جو ڈویلپمنٹ کمشنر اور ٹریڈ کمیشن کے مابین اسی سلسلے میں ہوئی تھی۔ جنوری ۱۹۵۸ء ہی میں پہلی بار ڈویلپمنٹ کمشنر کو علم ہوا کہ لینڈ روور گاڑی جموں میں بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر پہونچائی جا چکی ہے۔ ۸؍ اگست ۱۹۵۸ء کو ڈویلپمنٹ کمشنر نے وزیر اعظم کے پرسنل اسسٹنٹ کو لکھ کر دریافت کیا کہ اس گاڑی کا بیمہ اور رجسٹریشن ہو گیا ہے یا نہیں؟ اگست ۱۹۵۸ء کے اس استفسار کا جواب اکتوبر ۱۹۶۴ء میں ملا، جس میں وصول یابی کی تصدیق کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ گاڑی وزیر اعظم اور ان کے خان دان کے استعمال میں رہی ہے۔ سرکاری وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ یہ گاڑی جو وزیر اعظم اور ان کے خان دان کے استعمال میں تھی، اس کا ڈرائیور بھی جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ ہی کا تھا۔

بہر کیف آگے چل کر اس گاڑی کو بخشی غلام محمد کی بیوی ہاجرہ بیگم کے نام رجسٹر کرانے کا اقدام کیا گیا۔ اس سلسلے میں بخشی غلام محمد نے اس ... رینا کو، جو اس وقت ٹرانسپورٹ کمشنر تھے، ٹیلی فون کیا کہ ان کی بیوی کی جو لینڈ روور گاڑی ہے، اس کو کوئی معقول نمبر دیا جائے۔ چناں چہ جے، کے، اے ۳۰۳۰ ہاجرہ بیگم زوجہ بخشی غلام محمد کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ اس کی تصدیق رجسٹریشن کے رجسٹر سے بھی ہوتی ہے

اس سلسلے میں فارم (E) پر ہاجرہ بیگم کی طرف سے ۲۲ر جون ۱۹۶۳ء کو ایک درخواست متعلقہ محکمے کو اس گاڑی کے رجسٹریشن کے لیے دی گئی۔ اسی گاڑی کو پولیس نے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو فیرڈیل موٹرس کے احاطے سے اپنے قبضے میں لے لیا۔

یہ رام کہانی بیان کرنے کے بعد سرکاری وکیل نے ان جوابات کا ذکر کیا جو بخشی غلام محمد اور دوسرے لوگوں نے اس الزام کے سلسلے میں پیش کئے تھے۔ اس نے بتلایا کہ بخشی رشید نے کہا ہے کہ بخشی غلام محمد کی بیوی ہاجرہ بیگم نے اپنے لئے ایک سکنڈ ہینڈ گاڑی خریدنے کی ان سے خواہش کی تھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایس، کے، رینا سے کہا، جو ان کے مقروض تھے۔ اس کے جواب میں ایس، کے، رینا نے بتلایا کہ ان کے ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ میں ایک گاڑی بکری کے لیے ہے۔ چناں چہ اس گاڑی کی قیمت ایس، کے، رینا کو ادا کر کے انھوں نے خریدی اور بخشی غلام محمد کی بیوی ہاجرہ بیگم کے حوالے کی۔

بخشی غلام محمد نے اپنے جواب میں گاڑی کی وصول یابی کی تصدیق کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ اس گاڑی کو انھوں نے کچھ عرصے تک الکشن کے کام میں استعمال کیا اور پھر جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کو واپس کر دی۔ عبدالرحمان غازی نے بھی اپنے بیانِ حلفی میں بخشی غلام محمد کے اس بیان کی تائید کی ہے کہ یہ گاڑی نیشنل

کانفرنس کی انتخابی مہم میں استعمال کی گئی تھی۔

سرکاری وکیل نے ان بیانات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تائید میں ثبوت پیش نہیں کیے گئے ہیں۔ اس، کے، رینا نے جو بیان حلفی پیش کیا ہے اس سے بخشی رشید کے بیان کی واضح تردید ہوتی ہے۔ نیز حکومت نے جو دستاویزی ثبوت اور بیانات حلفی پیش کیے ہیں ان سے یہ بات قطعی طور سے ثابت ہوتی ہے کہ بخشی غلام محمد نے اس لینڈر گاڑی کو خورد برد کیا تھا۔

۱۴ جولائی ۱۹۶۶ء کو مندرجہ ذیل الزام نمبر ۳۵ پر سرکاری وکیل نے بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کا بے جا استعمال کر کے مندرجہ ذیل معاملت میں سرکاری رقوم کو خورد برد کیا:

"(الف) ٹرانسپورٹ کنٹرولر کو ہدایت کی گئی کہ کرنل غلام قادر کی کار کو خریدنے کے لیے وہ تجویز پیش کرے، اور اس کے نتیجے میں ۲۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو متذکرہ کار خریدی گئی۔

"(ب) بخشی غلام محمد ہی کے کہنے سے کرنل غلام قادر اپنی کار کو چرار شریف کی زیارت کے لیے چڑھاوے میں دینے پر تیار ہوئے۔

"(ج) اس گاڑی کی قیمت، ۱۵ ہزار روپے، نہ تو چرار شریف کی زیارت کو ملے اور نہ کرنل قادر ہی کے ہاتھ آئے۔ اس رقم کو دراصل بخشی غلام نے خورد برد کیا۔

"(د) ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو اس گاڑی کے خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اور خریداری کے بعد یہ برائے نام ہی استعمال میں آئی۔"

اس قصے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ کرنل غلام قادر عرف ہیری نیڈو صدر ریاست کے ملٹری سکریٹری تھے چرار شریف کی زیارت کے لئے بخشی غلام محمد نے ان سے چندہ مانگا۔ کرنل غلام قادر نے اس کے جواب میں نقد رقم دینے سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے اپنی بوئیک موٹر چندے میں دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس کے بعد ہی بخشی غلام محمد نے ٹرانسپورٹ کنٹرولر سے پندرہ ہزار روپے میں اس گاڑی کی خریداری کی سفارش کرنے کے لیے کہا۔ اس ہدایت کے مطابق ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے ایک سفارشی تجویز مرتب کی۔ جس میں اس نے لکھا کہ کرنل غلام قادر ریاست سے جا رہے ہیں، اس لئے اپنی شیورلے گاڑی جو بہت اچھی حالت میں ہے، فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ میرے کہنے سے وہ صرف پندرہ ہزار میں دینے پر تیار ہو گئے ہیں۔ اگر اس کی خریداری منظور کی جائے تو اسٹاف کار کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے۔ بخشی غلام محمد کے سامنے یہ تجویز ۲۳ نومبر

کو پیش کی گئی اور ۲۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو بہ حیثیت ٹرانسپورٹ منسٹر، انھوں نے اس کی منظوری دے دی۔ اسی تاریخ، ۲۴ نومبر کو، ٹرانسپورٹ کنٹرولر کے حکم سے ٹریفک منیجر نے جموں و کشمیر بینک سے پندرہ ہزار روپے نکالے۔ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کی کیش بک میں چڑھانے کے بعد یہ رقم، ٹرانسپورٹ کنٹرولر کے حکم سے ٹریفک منیجر نے بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر حاضر ہو کر ان کے پرسنل اسسٹنٹ کی موجودگی میں ان کے حوالے کی۔ بخشی غلام محمد نے ٹریفک منیجر کو اس کی کوئی رسید نہیں دی، اور کہا کہ رسید پھر بھیج دی جائے گی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۵۴ء کو ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے ورکس منیجر نے یہ گاڑی اپنی تحویل میں لی۔ اور اسی تاریخ کرنل غلام قادر نے پندرہ ہزار روپے کی وصولی کی رسید دی۔ اگرچہ یہ رقم ان کو نہیں بلکہ بخشی غلام محمد کو ادا کی گئی تھی۔

سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے اپنے سفارشی نوٹ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۴ء میں اس کار کی خریداری سے متعلق جو واقعات درج کئے تھے، وہ یک سر غلط تھے۔ نوٹ کے مطابق سفارش کی گئی تھی کہ شیورلے گاڑی کی خرید کی، لیکن جو گاڑی خریدی گئی، وہ بوئیک تھی۔ یہ نئی گاڑی نہیں بلکہ ۱۹۴۷ء موڈل تھی، جو ۴۸۶،۲۹ میل چل چکی تھی، اور دونوں طرف اس کے شیشے چٹخے ہوئے تھے۔ رہا اسٹاف کار کے طور پر اس کے استعمال کئے جانے کا سوال، تو اس وقت

ٹرانسپورٹ ڈپارٹ منٹ کے پاس آٹھ کاریں تھیں، اور ضرورت کے وقت ان میں سے کوئی گاڑی بھی اسٹاف کار کے طور پر استعمال کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ خریداری کے بعد چار سال کے عرصے میں یہ گاڑی صرف ۳۰۶ میل چلی، اور وہ بھی اسٹاف ڈیوٹی میں نہیں بلکہ دوسرے سلسلوں میں استعمال کی گئی۔ ان بیانات کی تائید میں سرکاری وکیل نے لاگ بک پیش کی۔ وکیل نے یہ بھی کہا کہ استعمال شدہ گاڑی خریدنے کی یہ پہلی مثال ہے۔ اس سے پہلے محکمے نے کوئی استعمال شدہ گاڑی نہیں خریدی تھی، اور یہ تمام تر نتیجہ تھا وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے اپنے اختیارات کے ناروا استعمال کا۔

الزام کے دوسرے حصے سے بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ چرار شریف کی زیارت کے لیے پندرہ ہزار کے عطیہ کا جہاں تک تعلق ہے، زیارت کے رجسٹر میں اس رقم کا، بخشی غلام محمد کے نام سے یا کرنل غلام قادر کے نام سے کوئی اندراج نہیں ملتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رقم بخشی غلام محمد نے خورد برد کر لی۔ بخشی غلام محمد نے اپنے جواب میں کہا ہے کہ کرنل غلام قادر کی استعمال شدہ بوئیک گاڑی کی خریداری کی نہ تو انھوں نے تحریک کی تھی، اور نہ یہ ان کے کہنے ہی سے خریدی ہی گئی، نیز اس کی بکری کی رقم ان کے حوالے نہیں کی گئی تھی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ واقعات کی روشنی میں یہ تردید قابل قبول نہیں ہے۔

۱۴ ر جولائی ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۳۷ پر بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کا ناروا فایدہ اٹھا کر ان کے داماد میر نصر اللہ نے ناجائز مالی منفعت حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۵۹ء میں سرکاری کوٹہ سے ایک فیٹ گاڑی خریدی، اور اس کی قیمت ۱۹۶۴ء تک ادا نہیں کی، اگرچہ اس گاڑی کو وہ ۱۹۶۰ء ہی میں فروخت کر چکے تھے۔"

اس اجمال کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ ۱۹۵۹ء میں فیٹ گاڑی کے سرکاری کوٹے میں سے ٹرانسپورٹ کنٹرولر، بخشی غلام محمد کے احکام کے تحت، گاڑیاں تقسیم کیا کرتا تھا۔ بخشی غلام محمد کے داماد میر نصر اللہ نے جو اس وقت سری نگر کے ڈپٹی کمشنر تھے، ٹرانسپورٹ کنٹرولر اس ۔کے ۔ رینا کو ٹیلی فون پر کہا کہ گورنمنٹ کے کوٹے سے ایک گاڑی ان کو بھی دی جائے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ تبلایا کہ بخشی غلام محمد سے اس بات کی انھوں نے منظوری بھی لے لی ہے کہ گاڑی انھیں قرضے پر دی جائے۔ بخشی غلام محمد سے اس کی تصدیق کرنے کے بعد ٹرانسپورٹ کنٹرولر نے ایک نئی فیٹ گاڑی میر نصر اللہ کے حوالے کیے جانے کا حکم ڈپٹی کنٹرولر کو دیا۔ اس

حکم کی تعمیل کے چند روز بعد گاڑی کی قیمت کا بل بھی میر نصر اللہ کو بھیج دیا گیا جو ۶۹،۶۲،۴ ۱۰ روپے کا تھا۔

اس گاڑی کا رجسٹریشن بھی کنٹرولر ٹرانسپورٹ ہی کے حکم سے ہوگیا، جس نے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کو مطلع کیا تھا کہ اس گاڑی کے متعلقہ کاغذات بعد میں بھیجے جائیں گے۔ گاڑی کے رجسٹریشن کا فارم قاعدے کے مطابق، گاڑی کے مالک کو بھرنا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کے برعکس میر نصر اللہ کی جگہ پر بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد نے اس پر دستخط کیے تھے۔

۱۹ر نومبر ۱۹۶۰ء کو میر نصر اللہ نے رجسٹریشن کے محکمے کو اطلاع دی کہ انھوں نے گاڑی ایک شخص مسمی غلام نبی کپرا کے ہاتھ فروخت کردی ہے، لیکن گاڑی بیچنے کے بعد بھی اس کی قیمت ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کو انھوں نے ادا نہ کی۔ اس کے بعد غلام نبی کپرا نے بھی یہ گاڑی ۲۶ر جون ۱۹۶۳ء کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دی۔ سرکاری وکیل نے بتلایا کہ بخشی غلام محمد کے وزارت عظمیٰ سے سبک دوش ہوتے وقت تک گاڑی کی قیمت ادا نہیں کی گئی تھی۔ ۲۲ر جون ۱۹۶۴ء کو جموں و کشمیر ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کے ورکس منیجر نے گاڑی کی قیمت ادا کرنے کے لیے پھر میر نصر اللہ کو لکھا تو انھوں نے ۶۹،۶۲،۴ ۱۰ روپے کا چیک ۲۶ر جون ۱۹۶۴ء کو بھیجا۔ یہ چیک یونائیٹڈ کمرشل بینک کا تھا، جو بخشی بشیر احمد نے کاٹا تھا۔

سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ کا میر نصر اللہ کو نئی گاڑی قرضے پر دینا، اپنی نوعیت کی پہلی مثال تھی۔ اس سے پہلے بعض افسروں نے قسطوں پر گاڑی مانگی تھی، لیکن ان کی درخواستیں مسترد کردی گئی تھیں۔ متعلقہ دستاویزوں سے یہ ثابت ہے کہ اپنے داماد میر نصر اللہ کو نئی فیئٹ گاڑی قرضے پر دلانے میں بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری پوزیشن سے ناجائز فایدہ اٹھایا تھا۔ اور اس سلسلے میں جو صفائی پیش کی گئی ہے، وہ قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

۷

۱۲ر نومبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۱۲ پر بحث شروع کی،
الزام یہ تھا:

"خود بخشی غلام محمد نے اپنے سرکاری منصب کا اپنے خاندان ان کے افراد اور اپنے اعزا کو ناجائز فایدہ پہونچایا، یا ان کی مرضی ان کے علم، اور ان کی چشم پوشی سے، ان کے سرکاری منصب کو ناجائز طور پر استعمال کر کے، ایسی اراضیوں میں جو کم آمدنی رکھنے والے ملازمین کے مکانوں کی تعمیر کے لیے مخصوص تھیں، ان کے اعزا نے اپنی اپنی پسند کے مندرجہ ذیل قطعات بے دھڑک اپنے نام کرالیے۔

گاندھی نگر (جون، فروری۔ مارچ ۱۹۶۱ء)

"(۱) بخشی بشیر احمد۔ غلام محمد کے بیٹے، قطعہ نمبر ۳۴ و ۳۵

"(۲) میر نصر اللہ، بخشی غلام محمد کے داماد، قطعہ نمبر ۳۶ و ۳۷

"(۳) بخشی غلام نبی، بخشی غلام محمد کے بھائی،
قطعہ نمبر ۴۰ و ۴۱

"(۴) بخشی عبدالمجید، بخشی غلام محمد کے بھائی،
قطعہ نمبر ۲۷

"(۵) بخشی عبدالرشید، بخشی غلام محمد کے
ماموں زاد بھائی، قطعہ نمبر ۳۸ و ۳۹

"(۶) بخشی غلام حسن، بخشی غلام محمد کے چچا زاد
بھائی، قطعہ نمبر ۱ (بی)،

"جواہر نگر اکسٹنشن (سری نگر)

(۱) بخشی عبدالرشید، بخشی غلام محمد کے ماموں زاد
بھائی، قطعہ نمبر ۴۳ و ۴۴

(۲) مس زمرد بیگم دلد بخشی عبدالرشید، قطعہ نمبر ۲۸

(۳) غلام جیلانی ولد بخشی عبدالرشید، قطعہ نمبر ۴۲

(۴) معراج الدین، بخشی عبدالرشید کے داماد،
قطعہ نمبر ۴ (اِن، ڈی)

"مندرجہ بالا افراد کے علاوہ بخشی غلام محمد کے اعزا و متوسلین نے، جو قطعات حاصل کئے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

شمار	نام	نمبر قطعہ	مقام
۱	ظہور احمد اور بیگم ظہور احمد	۲۱ (ان ہٹ ڈی)	راج باغ سری نگر
۲	حفیظ اختر و صغریٰ حفیظ	۹ (ان ہٹ ڈی)	″
۳	ظفر احمد	۸ (ان ہٹ ڈی)	″
۴	شمس احمد خاں	۱	جواہر نگر اکسٹنشن سری نگر
۵	مس خورشید جلال الدین (حال اہلیہ بخشی غلام محمد)	۲	″
۶	غلام علی بخشی	۲۷۵ و ۲۷۶	نرسنگ گڑھ، سری نگر
۷	غلام محمد شیخ	۳۸۳	جواہر نگر، سری نگر
۸	احمد اللہ شیخ	۳۸۴	″
۹	غلام نبی شیخ	۱۹۹	نرسنگ گڑھ، سری نگر
۱۰	مسماۃ عائشہ بیگم	۵۷	جواہر نگر اکسٹنشن، سری نگر

اس الزام کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ مکانات کی تعمیر اور کم تنخواہ پانے والوں کو مکان بنوانے کے لیے قرض دینے کی غرض سے گورنمنٹ آف انڈیا نے ریاستی سرکار کو قرضے دئیے تھے۔ اس اسکیم کے تحت اراضی حاصل کرنے اور اسے قابل استعمال بنانے اور قطعات میں تقسیم کرنے کے بعد چھ ہزار روپے سالانہ سے کم تنخواہ

پانے والوں کو رعایتی داموں پر دینا تھا، زیادہ تنخواہ پانے والے بھی ان اراضیوں میں قطعات حاصل کر سکتے تھے، مگر اس کے لیے کھلی نیلامی بولی ضروری تھی۔ اور کسی بھی شخص کو ایک سے زیادہ قطعہ نہیں مل سکتا تھا ریاست جموں و کشمیر میں اس اسکیم پر عمل درآمد کرنے کے لیے ایک بورڈ بھی بنایا گیا تاکہ مستحق سرکاری ملازمین ہی، جو چار سو روپے سے کم تنخواہ دار ہوں اس اسکیم سے فایدہ اٹھا سکیں۔ جموں و سری نگر میں اس اسکیم کے تحت اراضیاں حاصل کی گئیں، ان میں ۴۵ × ۷۵ فٹ کے قطعات نکالے گئے اور ہر قطعہ کی قیمت پانچ سو روپے مقرر کی گئی۔

سرکاری وکیل نے دستاویزیں پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے ان اراضیوں میں سے قطعات اپنے گھر والوں اور اپنے اعزا و متقربین کے لیے نامزد کئے، جو قطعاً اس اسکیم سے خارج تھے، اور یہ قواعد و ضوابط کی صریح خلاف ورزی تھی اسی سلسلے میں سرکاری وکیل نے نیلام کئے جانے والے قطعات کی فہرست پیش کرتے ہوئے بتلایا ۱۲۰ × ۷۵ فٹ کے قطعات کی بولی ساڑھے سترہ ہزار تک گئی، اگرچہ زیادہ تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کے لیے ان کی قیمت پندرہ سو سے ڈھائی ہزار تک مقرر کی گئی تھی۔

ان قطعات کو حاصل کرنے کے لیے جو قاعدے وضع کیے گئے تھے، ان کی تشریح کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ اسکیم کے تحت قطعہ اراضی حاصل کرنے کے لیے پہلے درخواست دینی پڑتی تھی۔ پھر اس امر کی جانچ کی جاتی

تھی کہ درخواست دہندہ مستحق ہے یا نہیں۔ چوں کہ قطعات کم اور درخواست دہندہ بہت تھے، اس لیے جانچ پرتال کے بعد قرعہ ڈالا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے نام قرعہ میں آتے تھے ان ہی کو قطعات دیئے جاتے تھے۔ ان تمام قواعد و ضوابط کو پس پشت ڈال کر اور اس حقیقت کو نظر انداز کر کے کہ ہزاروں درخواستیں ابھی پڑی ہیں، بخشی غلام محمد کے حکم سے اور ان کی ہدایت کے مطابق، ان کے خاندان والوں کو اور ان کے اعزا و اقربا کو جموں میں قطعات دیے دیئے گئے۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے بخشی بشیر احمد، بخشی عبدالرشید، بخشی غلام حسن، بخشی عبدالمجید اور بخشی غلام نبی کے خصوصیت سے نام لیئے جو اس اسکیم کے تحت قطعات حاصل کرنے کے اہل ہی نہیں تھے، اور جنھیں بلا نیلام کے، قطعات مل گئے۔ ان میں سے بخشی مجید کے علاوہ سب کو بڑے بڑے دو قطعات دیے گئے تھے۔ اگرچہ ان میں سے کسی نے درخواست بھی نہیں دی تھی، لیکن بخشی غلام محمد کے حکم سے پانچ ہزار کے برائے نام معاوضے پر یہ قطعات ان کے لیے مخصوص کر دیئے گئے۔ بخشی مجید نے تو اپنے قطعہ اراضی پر قبضہ لے لینے کے بعد اس کی قیمت بھی ادا نہیں کی تھی۔

سری نگر میں بھی یہی ہوا۔ جواہر نگر میں ایک بڑا قطعہ اراضی اور مختلف ناپ کے ۴۳ قطعات بخشی غلام محمد کے خاندان اور ان کے اعزا و اقربا میں تقسیم کرنے کے لیے ارادتاً الگ کر دیئے گئے تھے، اور آگے چل کر بخشی غلام محمد ہی کے حکم سے ان ہی لوگوں کو یہ قطعات رعایتی قیمتوں پر دیئے گئے۔ اگرچہ ان لوگوں نے بھی کوئی درخواست نہیں دی تھی، اور وہ مستحق بھی نہیں تھے۔ اسی

سلسلے میں سرکاری وکیل نے کمیشن کو یہ بھی بتلایا کہ راج باغ سری نگر میں نزول کے پانچ قطعات میں سے چار بخشی غلام محمد کے اعزا کو، ان ہی کے حکم سے مل گئے، یہ قطعات جو غیر معمولی طور پر وسیع تھے، ڈھائی ہزار روپے فی کنال کے برائے نام معاوضے پر ان لوگوں کو ملے، اگرچہ اس وقت بازار کے نرخ کے مطابق ان کی قیمت بہت زیادہ تھی۔

گاندھی نگر جموں اور جواہر نگر سری نگر کے اراضیات کے نقشے سرکاری وکیل نے کمیشن کے سامنے پیش کیے، جنھیں بخشی غلام محمد نے معائنہ کرنے کے بعد منظور کیا تھا، اور جن میں، خود ان ہی کے حکم سے، ان کے خاندان اور ان کے اقربا کے لیے بڑے بڑے قطعات مخصوص کر دیے گئے تھے، جو بعد میں تقسیم کیے گئے۔ اس سلسلے میں صرف ایک بخشی عبدالرشید ہی کے قطعات کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ گاندھی نگر جموں اور جواہر نگر سری نگر میں بخشی رشید، ان کے نابالغ بیٹے، بیٹی اور داماد کو جو قطعات دیے گئے ان کا مجموعی رقبہ ۱۲ کنال (۶۰ ہزار مربع فٹ) ہے۔ ان قطعات کے لیے، جو بہت بڑے رقبے کے تھے، کوئی درخواست نہیں دی گئی تھی۔ ان میں سے بعض قطعات تو، بخشی غلام محمد کے اعزا کی پسند کے مطابق بار بار بدلے بھی گئے۔ مثلاً حفیظ اختر اور صغریٰ حفیظ نے اپنے قطعات ایک نہیں بلکہ دو بار تبدیل کیے، اور بالآخر انھیں ایک بہت بڑا قطعہ مل گیا۔ اگرچہ ان کے پاس ذاتی مکان بھی تھا۔

بخشی غلام محمد کے جواب پر بحث کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ

ان کے بیان کے مطابق کم تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کو ان اسکیموں سے کوئی خاص دل چسپی نہیں تھی، لیکن سرکاری کاغذات کے مطابق صرف ایک سری نگر ہی میں کم تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کی دو ہزار درخواستیں پڑی تھیں، جن کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، اور ان درخواستوں کی موجودگی میں پبلک کے آدمیوں کو قطعات دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سرکاری وکیل نے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ جموں اور سری نگر میں جتنے قطعات تھے، ان سے کہیں زیادہ مستحقین کی درخواستیں تھیں، اسی وجہ سے قرعہ اندازی کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

بخشی غلام محمد نے اپنی بریت کے لیے یہ عذر بھی پیش کیا تھا کہ قطعات کی تقسیم اور ان کی منظوری ایک دوسری وزارت سے متعلق تھی، اور ان کے اعزا کے خود اپنے ذرائع تھے، جن سے انھوں نے یہ قطعات حاصل کیے۔ اس کی تردید میں سرکاری وکیل نے ان دستاویزوں کا حوالہ دیا، جو کمیشن کے سامنے پہلے ہی پیش کی جا چکی تھیں، اور جن سے واضح طور پر ثابت تھا کہ بخشی غلام محمد کے حکم اور ان کی ہدایت ہی سے ان کے خاندان کے افراد اور ان کے اعزا و متوسلین کو یہ قطعات دئے گئے تھے۔

۸

۱۰ر اگست ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۱۷ پر بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر مسرز کشمیر موٹرس کو مجبور کیا گیا کہ بخشی غلام کے بیٹے بخشی بشیر احمد کو، ماموں زاد بھائی بخشی احمد کو، اور بھتیجے غلام حسن کو بھی اس فرم میں حصہ دار بنایا جائے۔"

سرکاری وکیل نے اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ موٹر کار، ٹرک، دوسری موٹر گاڑیوں اور موٹر کے پرزوں کا کاروبار کرنے کے لیے علی شاہ، پریم ناتھ، پران ناتھ پاجن، اور جانکی ناتھ کے مابین ۱۶ر اگست ۱۹۵۵ء کو کشمیر موٹرس کے نام سے یہ کاروبار سری نگر میں شروع کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد امر ناتھ بھی اس میں حصے دار بن گئے۔

اگست ۱۹۵۹ء میں اس کمپنی نے کشمیر کے صوبے کے لیے مسرز ہندستان موٹرس (کلکتہ) کی اجنسی حاصل کر لی۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو یاد دلایا کہ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالمجید، بخشی غلام محمد کے بیٹے اور بیٹی۔ بخشی بشیر احمد اور مسماۃ شمع میر، اور بخشی غلام محمد ہی کے دوسرے بھائی بھتیجے بھی ۱۹۵۲ء سے

موٹرہی کاروبار کررہے تھے۔ اس تجارت کی نگرانی حقیقتاً عبدالمجید کے ذمے تھی۔ بخشی بشیر احمد موٹر کے کام کی ٹریننگ لینے کے بعد ۱۹۵۵ء میں واپس وطن لوٹنے والے تھے، اور انھیں بھی موٹرہی کے کاروبار میں لگانا تھا۔ اسی سلسلے میں بخشی عبدالمجید نے کشمیر موٹرس کے حصہ داروں پر زور ڈالنا شروع کیا کہ ان کے نامزد کردہ لوگوں کو بھی وہ اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیں۔ بخشی عبدالمجید نے تگڑم سے علی شاہ کو جموں بلوایا اور جموں کے ہوائی اڈے پر ملنے کی ہدایت کی۔ جب وہ ہوائی اڈے پہنچے، تو وہاں بخشی مجید کے علاوہ بخشی غلام محمد بھی موجود تھے۔ کچھ دیر دونوں بھائیوں نے الگ باتیں کیں۔ اس کے بعد بخشی غلام محمد ہوائی جہاز کے اندر گئے اور بخشی مجید علی شاہ کو لے کر بخشی غلام محمد کی کوٹھی آ گئے۔ یہاں انھوں نے علی شاہ سے کہا کہ پاکستانی غیر سماجی عناصر کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے۔ جب علی شاہ نے اس کی تردید کی تو بخشی مجید نے کہا کہ اس سلسلے کے سارے واقعات کا بخشی غلام محمد کو کلّی علم ہے اور انھوں نے ہوائی اڈے پر کہا تھا کہ علی شاہ کو یہ بات بتلا دی جائے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی کہ جموں کے ہوائی اڈے پر علی شاہ کو بلانے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ انھیں بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ اور بخشی غلام محمد کو ناخوش کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس طرح سے بخشی مجید نے علی شاہ کو مجبور کیا کہ وہ بخشی خاندان کو کشمیر موٹرس کا حصہ دار بنائیں۔

اس کے بعد بخشی مجید نے علی شاہ کے دوسرے حصہ داروں سے ملاقات کر کے یہ تجویز ان کے سامنے رکھی کہ وہ سب مل کر وہیل کمپنی کے نام سے موٹر کاروبار شروع کریں۔ بخشی مجید نے ان سب کو یقین دلایا کہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر وہ اس کمپنی کو اپنے پیروں پر کھڑا کر دیں گے۔ کشمیر موٹرس کے حصے داروں کو خطرہ تھا کہ بخشی خان دان اگر اس کاروبار میں شریک ہوا تو سارے کاروبار پر ان ہی کا قبضہ ہو جائے گا، اس لیے ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود ہی دامن جھاڑ کر الگ ہو جائیں۔ چناں چہ سب سے پہلے جانکی ناتھ اور امرناتھ نے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب کشمیر موٹرس میں پریم ناتھ، پران ناتھ اور علی شاہ تینوں ایک ایک تہائی کے حصے دار ہو گئے۔ دوسری طرف بخشی خان دان کی دھمکیاں بھی برابر بڑھتی رہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر موٹرس کے حصے دار بخشی بشیر احمد اور بخشی غلام احمد کو اپنے کاروبار میں شریک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان لوگوں کے قدم رکھتے ہی پران ناتھ اور پریم ناتھ نے بھی کشمیر موٹرس کو خیرباد کہا۔ ان کے حصے علی شاہ نے خرید لیے اور اس طرح ان کا حصہ $\frac{3}{5}$ ہو گیا۔

اب بخشی مجید نے، کاروبار میں بالادستی حاصل کر لینے کے بعد، علی شاہ کو مجبور کیا کہ بخشی غلام محمد کے بھتیجے غلام حسن کو بھی حصہ دار بنا لیا جائے۔ چناں چہ ایک نیا شرکت نامہ تیار کیا گیا، جس کے مطابق احمد شاہ کا حصہ $\frac{3}{5}$ سے $\frac{1}{4}$ ہو گیا۔ علی شاہ اس حیثیت کو قبول کرنے پر، خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوراً تیار ہوئے تھے۔

بخشی غلام محمد اور دوسروں نے جو جوابات پیش کیے تھے، سرکاری وکیل نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بخشی غلام محمد نے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے واقعات کو غلط قرار دیا ہے۔ بخشی عبدالمجید نے علی شاہ پر زور ڈالنے یا دھمکی دینے سے انکار کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق جموں کے ہوائی اڈے پر علی شاہ کی موجودگی ان کی اور ان کے بھائی بخشی غلام محمد کی سازش کا نتیجہ نہیں تھی۔ بخشی بشیر احمد اور بخشی غلام حسن نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بخشی غلام محمد اور بخشی عبدالمجید ہی کے بیانات کی پیروی کی ہے۔

۹ر اگست ۱۹۶۷ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۲۰ پر بحث شروع کی:

"بخشی غلام محمد نے اپنی بہو کے لیے ایک پرمنافع کاروبار حاصل کرنے کی غرض سے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھا کر سری نگر اور گل مرگ کے نیڈوز ہوٹل کے پٹے کو، جو مسز نیڈوز اینڈ سنز کے نام تھا، غلام قادر کے نام مستقل کرایا (کیوں کہ غلام قادر، ان کی بہو بیگم بخشی بشیر کو اس کاروبار میں شریک دار بنانے پر رضامند ہوگئے تھے) اور ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد نے، خلافِ قاعدہ، بیس سال کے لیے اس پٹے کی تجدید کرائی۔"

سرکاری وکیل نے بحث شروع کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ گل مرگ

اور سری نگر کے نیڈوز ہوٹل مسرز نیڈوز کے پاس پٹے پر ۱۸۸۰ء و ۱۹۰۰ء تھے اور دس دس سال کے لیے اس پٹے کی تجدید ہوتی تھی۔ آخری بار دسمبر ۱۹۶۰ء میں اس کی تجدید صرف پانچ سال کے لئے ہوئی تھی۔ ۱۵ر جون ۱۹۶۳ء کو مسرز نیڈوز کے ایک حصے دار، مسٹر ڈبلو، اے، نیڈوز نے بخشی غلام محمد کو ایک خط کے ذریعے سے اطلاع دی کہ انھوں نے اپنی تمام منقولہ جائیداد اور گل مرگ و سری نگر کے نیڈوز ہوٹل کی گڈ وِل بھی کرنل ہیری نیڈو عرف غلام قادر کے ہاتھ فروخت کر دی ہے، جس کا نفاذ یکم نومبر ۱۹۶۳ء سے ہوگا۔ اس لیے انھوں نے یہ استدعا کی تھی کہ غلام قادر کے نام اس پٹے کی منتقلی کی منظوری دی جائے۔ اسی تاریخ کرنل ہیری نیڈو نے بھی بخشی غلام محمد کے نام ایک خط لکھا، جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ یہ پٹہ ان کے نام منتقل کیا جائے، اور اس کی میعاد ختم ہونے کے بعد چالیس سال کے لیے اس پٹے کی تجدید کی جائے۔ یہ دونوں خطوط ۱۵ر جون ہی کو ڈبلو، اے، نیڈو اور کرنل ہیری نیڈو نے خود ہی بخشی غلام محمد کی خدمت میں پیش کیے، اور بخشی غلام محمد نے پٹے کی منتقلی کی منظوری دے دی۔ اس بیان کی تائید میں سرکاری وکیل نے ڈبلو، اے، نیڈو کے ایک خط کی طرف کمیشن کو توجہ دلائی جو بخشی غلام محمد کے نام ۲۹ر جون ۱۹۶۳ء کو لکھا گیا تھا اور جس میں ۱۵ر جون ۱۹۶۳ء کی اس ملاقات کا بھی ذکر ہے جس کا شرف بخشی غلام محمد نے ڈبلو، اے، نیڈو اور کرنل ہیری نیڈو کو بخشا تھا، اور ساتھ ہی پٹے کی منتقلی کے فیصلے کا شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا۔

ڈبلو، اے، نیڈو اور کرنل ہیری نیڈو کی متذکرہ بالا درخواستوں کو بخشی غلام محمد نے وزیر تعمیرات، آب پاشی و بجلی کو اور وزیر موصوف نے چیف انجینیر کو بھیج دی۔ سرکاری وکیل نے کمیشن کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ تمام قاعدوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ درخواستیں چیف انجینیر تک دست بدست پہنچی تھیں۔ بہرکیف چیف انجینیر نے ۲۸ر جون ۱۹۶۳ء کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے پٹے کی منتقلی و منظوری کی سفارش کی لیکن کسی جگہ نہ تو ان رپورٹوں کی وصولی کا اندراج ہے، اور نہ سکریٹریٹ کے وصول یابی خطوط کے رجسٹروں میں ان کی آمد ہی کا ذکر ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخشی غلام محمد کو اس معاملے سے چوں کہ شخصی طور پر دل چسپی تھی اس لئے غیر معمولی طور پر یہ سب ہو گیا۔ اسی سلسلے میں وزیر تعمیرات کے ایک نیم سرکاری خط کی طرف بھی سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی جو بہ صیغۂ راز بخشی غلام محمد کے نام تھا اور جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ دونوں عرضیاں چیف انجینیر کی رائے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ ۳ر جولائی ۱۹۶۳ء کو بخشی غلام محمد نے اس نیم سرکاری خط پر چیف سکریٹری اور کابینہ کے سامنے پیش کئے جانے کی ہدایت لکھی، اگرچہ اس قصے کو کابینہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی تجویز مرتب نہیں ہوئی تھی۔ بہرکیف وزراکی کونسل نے کرنل ہیری نیڈو کے نام پٹے کی منتقلی، نیز پٹہ ختم ہونے کے بعد بیس سال کے لیے اس کی تجدید کی منظوری دے دی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد کو اس معاملے سے ذاتی دل چسپی تھی، اس لئے طریق کار کے

آئین وضوابط کو یک سر نظر انداز کیا گیا۔ چناں چہ کابینہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے نہ تو تجویز مرتب کرنا ضروری سمجھا گیا، اور نہ محکمۂ مال سے منظوری لینے یا پٹے کو نیلام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سرکاری وکیل نے اس طرف بھی کمیشن کو توجہ دلائی کہ اس سے پہلے کبھی بھی بیس سال کی طویل مدت کے لیے نیڈوز ہوٹل کے پٹے کی تجدید نہیں کی گئی تھی۔

اس معاملے میں بخشی غلام محمد کی غیر معمولی دل چسپی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ کرنل ہیری نیڈو نے پٹے کی منتقلی وتجدید کی درخواست ۱۵؍جون ۱۹۶۳ء کو دی تھی، لیکن اس تاریخ سے پہلے ہی بخشی غلام محمد کی بہو یاسمین بخشی کو نیڈوز ہوٹل میں حصہ دار بنانے کا زبانی معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس کی لکھا پڑھی ۱۸؍جولائی ۱۹۶۳ء کو ہوئی۔ اس باضابطہ معاہدے میں بھی زبانی معاہدے کا ذکر موجود ہے، اور اسی کی بنا پر نیڈوز ہوٹل کے پٹے کی منتقلی وتجدید کا معاملہ اس پھرتی سے منظور ہو گیا۔ متعلقہ دستاویزوں اور بیانات حلفی کا حوالہ دیتے ہوئے وکیل نے کہا کہ یہ سب کچھ بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کا فایدہ اٹھا کر کیا تھا، اور اس کا مقصد صرف اپنی بہو کے لیے ایک پرمنافع کاروبار پیدا کرنا تھا، جو اس معاہدے کے ساتھ حاصل ہو گیا جو کرنل ہیری نیڈو اور بخشی یاسمین کے مابین نیڈوز ہوٹل کے بارے میں ہوا تھا۔

بخشی غلام محمد، یاسمین بخشی اور بخشی بشیر احمد نے جو جوابات پیش کیے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد نے دستورِ ہند کی

دفعہ ۱۴۴ کی آڑ لیتے ہوئے کہا ہے کپڑے کی منتقلی کی منظوری کا فیصلہ کابینہ کا تھا، اس لئے تنہا ان ہی کو اس کا جواب دہ قرار دینا، ایک ناروا امتیازی سلوک ہے۔ کرنل ہیری نیڈو اور یاسمین بخشی میں جو زبانی معاہدہ ہوا تھا بخشی غلام محمد نے اس سے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ یاسمین بخشی نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہوٹل کے کاروبار سے انھیں دل چسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے کرنل ہیری نیڈو سے کہا کہ وہ انھیں بھی اپنا شریک بنالیں۔ چوں کہ انھیں سرمایے کی ضرورت تھی اس لئے اپنے شوہر سے انھوں نے روپیہ لے کر دے دیا۔ بخشی بشیر نے اپنی صفائی میں اپنی بیوی کے بیان کی پیروی کی ہے۔

۱۱ اگست ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۳۸ پر بحث شروع کی۔ الزام یہ تھا:

"بخشی غلام محمد نے ۱۹۵۷ - ۱۹۶۰ء کے دور میں اپنی سرکاری حیثیت کو استعمال کر کے ناجائز مالی فوائد حاصل کئے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں انھوں نے دو استعمال شدہ قالین گورنمنٹ آرٹس امپوریم سری نگر کو ۲۰۱۵ روپے میں دئے۔ اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک جو سامان انھوں نے امپوریم سے خریدا اس پر بے قاعدہ اور بہت زیادہ ڈسکاؤنٹ وصول کیا۔"

سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ کشمیر گورنمنٹ آرٹس امپوریم کا مرکزی دفتر سری نگر میں اور اس کی شاخیں ریاست کے دوسرے مقامات پر تھیں۔ ایک سرکاری حکم نمبر ۹۴۳ سی مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۹ء کے مطابق، حکومت نے امپوریم کو اپنے تحت لے کر ہوم ڈپارٹمنٹ سے اور نائب وزیراعظم سے وابستہ کر دیا۔ بخشی غلام محمد وقتاً فوقتاً "کشمیر گورنمنٹ آرٹس امپوریم سے سامان خرید اکرتے تھے۔ ۵۸-۱۹۵۷ء کے مالیاتی سال کے اختتام پر ۹۸،۲۸۷۳ روپے ان کے ذمے امپوریم کا بقایا تھا۔ سامان کی خریداری کے بل بھی ان کو برابر بھیجے جاتے رہے تھے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں انھوں نے دو استعمال شدہ قالین امپوریم کے برانچ مینیجر کے حوالے کرتے ہوئے ہدایت کی کہ ان کی قیمت اُن کے حساب میں وضع کر دی جائے۔ چناں چہ ۲۰۱۵ روپے ان کے حساب میں کم کر دئے گئے۔ بخشی غلام محمد نے برانچ مینیجر سے یہ بھی کہا کہ یہ قالین احمد پوش نامی شخص سے خریدے گئے تھے۔ برانچ مینیجر نے ۲۰۱۵ روپے کی رقم ان کے حساب سے وضع کرنے کے بعد، اس کا واوچر امپوریم کے ہیڈ آفس کو بھیج دیا جہاں ان قالینوں کی خریداری احمد پوش کے نام سے دکھائی گئی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ ان استعمال شدہ قالینوں کو امپوریم کے سر مڈھ کر بخشی غلام محمد نے ۲۰۱۵ روپے اپنے حساب میں وضع کرانے میں اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فایدہ اٹھایا تھا، کیوں کہ امپوریم استعمال شدہ مال کبھی خریدتا ہی نہیں تھا۔ اس لیے یہ معاملت بالکل بے قاعدہ تھی۔

امپوریم کے واوچروں اور متعلقہ کاغذات کی مدد سے سرکاری وکیل نے یہ بھی ثابت کیا کہ بخشی غلام محمد نے امپوریم سے جو سامان وقتاً فوقتاً خریدا، اس کی خریداری کے سلسلے میں مروجہ ڈسکاؤنٹ کے علاوہ مزید ڈسکاؤنٹ بھی وصول کیا۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو اس جواب کی طرف توجہ دلائی، جو بخشی غلام محمد نے پیش کیا تھا۔ انھوں نے امپوریم کو استعمال شدہ قالین دینے کے واقعے سے انکار کیا تھا۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے کہا کہ جو دستاویزیں اور بیان حلفی بخشی غلام محمد نے داخل کئے ہیں ان سے ان کے بیان کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس گورنمنٹ نے جو دستاویزیں اور بیان حلفی داخل کئے ہیں، ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استعمال شدہ قالین خود بخشی غلام محمد نے امپوریم کو دئے تھے۔ سرکاری وکیل نے یہ بھی کہا کہ احمد پوش نے بخشی غلام محمد کے ہاتھ کوئی قالین فروخت نہیں کئے تھے۔ بلکہ دستاویزوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ احمد پوش نے قالین سازی کا کام ۱۹۵۳ء ہی میں بند کر دیا تھا۔

۹

۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ الزام نمبر ۱۴ کمیشن کے سامنے پیش کیا:

"(الف) بخشی غلام محمد نے سرکاری ٹھیکہ دار عبدالغنی بٹ سے پہل گام میں ایک مکان تعمیر کرایا، جس پر تخمیناً ۸۷ ہزار روپیہ خرچ ہوا لیکن ٹھیکہ دار کو صرف ۴۵ ہزار کی رقم ادا کی گئی۔ ایک دوسرا مکان اپنے ہی لیے انھوں نے اشبر (سری نگر) میں، اور تیسرا اپنے سالے شمس احمد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے لیے، اسی ٹھیکہ دار سے بنوایا، لیکن اس کا مطالبہ پورا ادا نہیں کیا گیا۔"

"(ب) بخشی غلام نبی، عبدالمجید، اور بشیر احمد کے مکانات میں بخشی غلام محمد نے پی، ڈبلو، ڈی کے ٹھیکے دار عبدالغنی بٹ سے ترمیم و اضافہ کرایا۔ اس کا بھی معقول معاوضہ ادا نہیں کیا گیا۔"

"(ج) اسی ٹھیکہ دار کو پی، ڈبلو، ڈی اور جنگلات کے ٹھیکوں میں خود بخشی غلام نے یا، ان کے علم اور ان کی چشم پوشی سے، پی، ڈبلو، ڈی، اور جنگلات کے محکموں کے افسروں نے غیر واجب

مراعتیں دیں۔"

اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے پہل گام کے موضع مل میں احمد شورا سے ۴ کنال ۳ مرلا زمین حاصل کی، جس کی تفصیل الزام نمبر ۴ میں بیان کی جا چکی ہے اسی زمین پر بخشی غلام محمد نے ایک عمارت تعمیر کرائی، جسے بخشی بشیر احمد، بخشی غلام محمد کے بیٹے نے مارچ ۱۹۶۱ء میں نارورن انڈیا ریلوے کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس کی تفصیلات الزام نمبر ۵ کے سلسلے میں بیان کی جا چکی ہیں۔ بخشی غلام محمد نے اپنے بیٹے اور بیٹی کے نام سے ۲۰ کنال ۱۷ مرلا اراضی موضع نونہ وڈن میں بھی ۳۰ ستمبر ۱۹۵۸ء کو خریدی تھی۔ اس اراضی سے ملحق زمین پر بخشی غلام محمد نے قبضہ کر لیا، جس کی تفصیل الزام نمبر ۶ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس اراضی پر بھی انھوں نے ایک عمارت بنوائی۔ چشمہ شاہی، بلور ڈ پر بھی ایک قطعہ اراضی بخشی بشیر احمد کی بیوی یاسمین بخشی کے نام سے ۲۷ جون ۱۹۶۲ء کو خریدی گئی، اور ایک بنگلہ اس اراضی پر بھی بنوایا گیا۔ بخشی غلام محمد کے سالے شمس احمد کو گوگجی باغ میں یکم جون ۱۹۶۱ء کو ایک رہائشی قطعہ اراضی دیا گیا تھا، اور اس اراضی پر بھی ایک مکان تعمیر کیا گیا۔

سرکاری وکیل نے کہا کہ مل، نونہ وڈن، اشبر اور چشمہ شاہی میں بخشی غلام محمد نے اور گوگجی باغ میں ان کے سالے شمس احمد نے عمارتیں تعمیر کرائیں۔ یہ سب عمارتیں پی، ڈبلو، ڈی کے ٹھیکہ دار عبدالغنی بٹ نے بنوائی تھیں۔ احمد شورا سے خریدی ہوئی اراضی پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی، ۱۹۵۸ء میں، اس میں کچھ

ترمیم و اضافہ عبدالغنی ٹھیکہ دار نے کیا، اور لڈر نالے پر ایک پل بھی بنایا، جو عمارت کو ابورود سے ملاتا ہے۔ ان کاموں کا معاوضہ پندرہ سو ہوتا تھا، لیکن بخشی غلام محمد نے صرف ۸۵۰ روپے ادا کئے۔ نونہ ونن میں عبدالغنی بٹ ٹھیکہ دار نے ۶۱-۱۹۶۰ء میں رہائشی بنگلہ تیار کیا تھا۔ اس پر سولہ ہزار روپے اس نے اپنی جیب سے خرچ کئے، لیکن بخشی غلام محمد نے ٹھیکہ دار کو صرف ۷ ہزار ہی ادا کئے۔ اس عمارت پر مجموعی لاگت تیس ہزار آئی تھی، اور آج اس کی قیمت کا تخمینہ ۸۷ ہزار روپیہ ہے۔ اسی ٹھیکہ دار نے اننبر کے بنگلہ کی تعمیر پر ۶۰ ہزار روپے خرچ کئے، لیکن بخشی غلام محمد نے صرف ۴۵ ہزار ہی ادا کئے بخشی غلام محمد کے سالے شمس احمد کا مکان بنوانے پر ٹھیکہ دار نے ۳۷ ہزار روپے خرچ کئے لیکن اسے صرف ۲۴ ہزار ہی ادا کیے گئے۔

سرکاری وکیل نے یہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد کہا کہ ٹھیکہ دار نے بخشی غلام محمد اور ان کے اعزا سے ان تمام عمارتوں کی تعمیر کا معاوضہ وصول کرنے میں جو ناواجب مراعتیں کی تھیں، اسی کے بدلے میں پی، ڈبلیو، ڈی اور جنگلات کے ٹھیکوں میں اس کے ساتھ بھی فوقتاً فوقتاً مراعتیں کی گئیں مثلاً عبدالغنی بٹ نے مختلف اوقات میں پی، ڈبلیو، ڈی کے بہت سے ٹھیکے اپنے نابالغ بچوں کے نام سے لیے، جو سرے سے ٹھیکہ دار تھے ہی نہیں اسی طرح جنگلات کے ٹھیکوں کے سلسلے میں لڈر رینج کے دو کمپارٹمنٹ (B ۲۴) نیز (A ۱۰) میں اس ٹھیکہ دار کے ساتھ ناواجب مراعت برتی گئی۔ ٹھیکہ ایک سال کے لیے تھا، جسے ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء تک مکمل

ہونا تھا۔ لیکن بخشی غلام محمد کی مداخلت سے ٹھیکہ دار کو تین بار توسیع ملی۔ اس کے علاوہ ٹھیکہ دار کو ۳۰ ہزار مکعب فٹ کابل اور ۱۵ ہزار سپرس اور فر پہل گام کے ڈپو میں لا کر جمع کرنا تھا، جو ڈویژنل فارسٹ افسر کے پرمٹ ہی سے عوام کو فروخت کی جاسکتی تھیں۔ عبدالغنی بٹ نے قاعدے کی خلاف ورزی کر کے، بہت کم مقدار ڈپو میں جمع کی، اور باقی سب بازار میں بیچنے کے لیے اس نے وہاں سے منتقل کر دی۔ عبدالغنی بٹ نے ٹھیکہ کی رائلٹی کی رقم بھی ادا نہیں کی، نیز پہل گام کے جنگلات کی اراضی پر ناجائز قبضہ کر کے اور بھی بہت سی بے عنوانیاں کیں، لیکن اسے بے دخل کرنے کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی، کیوں کہ بخشی غلام محمد نے ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کی تھی کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے دستاویزیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کے عاید کردہ الزامات ان دستاویزوں نیز بیانات حلفی سے ثابت ہو جاتے ہیں جو حکومت کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ وکیل نے عبدالغنی بٹ کی مکمل ڈایری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس میں بخشی غلام محمد اور ان کے اعزا، کی تعمیرات کے سلسلے میں عبدالغنی بٹ نے جو روپیہ خرچ کیا تھا، اس کا مکمل تاریخ وار حساب ہے، اور اس سے ٹھیکہ دار کے بیانات کی مکمل تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے بعد سرکاری وکیل نے کنزرویٹر آف فارسٹس، ساؤتھ سرکل، کے ایک خط کی طرف توجہ دلائی، جو چیف کنزرویٹر جموں وکشمیر کے نام تھا۔

اور جس میں اس نے لکھا تھا کہ آنرایبل منسٹر کے زبانی احکام کے مطابق عبدالغنی بٹ کے ٹھیکے میں توسیع کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں دوسری دستاویزوں کی طرف بھی سرکاری وکیل نے کمیشن کو توجہ دلائی جس سے واضح ہوتا تھا کہ اس ٹھیکہ دار کے ساتھ ناواجب مراعتیں کرنے میں بخشی غلام محمد نے اپنے عہدے کا ناجائز فایدہ اٹھایا ہے۔

سرکاری وکیل نے بخشی غلام محمد، بخشی غلام نبی، بخشی عبدالمجید، بخشی بشیر احمد اور شمس احمد خاں کے جوابات کی طرف کمیشن کو توجہ دلاتے ہوئے بتلایا کہ بخشی غلام محمد نے اس سے انکار کیا ہے کہ محل (پہلگام) کا مکان ان کی ملک ہے اور اس میں جو ترمیم و اضافہ ہوا تھا، اس سے بھی اپنی بے تعلقی ظاہر کی ہے۔ اسی طرح نونہ و تن کے مکان سے بھی اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا ہے۔ البتہ اشبر کے مکان کے سلسلے میں بخشی غلام محمد نے اعتراف کیا ہے کہ ٹھیکہ دار کے ساتھ ان کا حساب کتاب چلتا رہتا ہے۔ ٹھیکہ دار کے ساتھ بخشی غلام محمد نے جو مراعتیں کی تھیں، ان سے بھی انھوں نے قطعی انکار کیا ہے۔

بخشی عبدالمجید نے اپنے بیان میں ذکر کیا تھا کہ عبدالغنی بٹ ٹھیکہ دار کو انھوں نے پچاس ہزار روپے قرض دئے تھے۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ اس امر کے ثبوت میں کوئی دستاویز نہیں پیش کی گئی ہے، اور کسی اور دستاویز سے بھی اس کی شہادت نہیں ملتی کہ ٹھیکہ دار کو یہ رقم قرض کے طور پر دی گئی تھی۔

سرکاری وکیل نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا کہ بخشی غلام محمد نے اپنی نجی عمارتیں اس ٹھیکے دار سے بنوا کر اور ان کا کم معاوضہ ادا کر کے اپنی سرکاری

حیثیت کا ناجائز استعمال کیا تھا، اور انھوں نے ٹھیکہ دار کو مختلف ٹھیکوں میں مراعتیں دے کر اپنے سرکاری منصب سے ناروا فایدہ اٹھایا تھا۔ اور ان الزامات کی صفائی جو انھوں نے پیش کی ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔

۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے بحث شروع کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۳۲ پڑھ کر کمیشن کو سنایا:

"۱۹۶۲ء میں بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت سے فایدہ اٹھاکر ۱۳۵۶۱ روپے کا ناجائز فایدہ اس طرح حاصل کیا کہ انھوں نے اپنے اشبر کے مکان تک اور اپنی بہو کے چشمہ شاہی کے مکان تک بجلی کے تاروں کی توسیع کرائی اور اس کے اخراجات بجلی کے محکمے کے مد سے ادا کرائے، اگرچہ وہ رقم ان کے اور ان کی بہو کے ذمے واجب الادا تھی۔"

سرکاری وکیل نے اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ جون ۱۹۶۲ء میں بلوارڈ کی سڑک پر مرکزی ویپر لیمپ کی روشنی کو بہتر بنانے کا کام شروع ہوا۔ اس سلسلے میں چشمہ شاہی کے چوراہے والے بجلی کے سب اسٹیشن سے تین چار کھمبے لگانے اور تانبے کے تار بچھانے کی ضرورت تھی۔ کام چوں کہ ضروری نوعیت کا تھا، اس لیے بہ امید منظوری شروع کرا دیا گیا۔ ۴ر جون ۱۹۶۲ء کو بخشی غلام محمد نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ اس وقت الکٹریکل انجینیر اور اسسٹنٹ الکٹریکل انجینیر کے علاوہ اسٹاف کے اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ اس موقع پر بخشی غلام محمد نے الکٹریکل انجینیر

کو ہدایت کی کہ چشمہ شاہی میں ان کے بھوکے زیر تعمیر مکان تک بجلی کے سہ رُخی چار تار والی لائن لے جائی جائے، اور مالی کی جھونپڑی تک اس کی توسیع کی جائے کیوں کہ آب پاشی کے لیے بجلی کا موٹر بھی وہ لگانا چاہتے ہیں۔ اسی وقت الکٹریکل انجینیر نے اپنے ماتحت انجینیر اور فورمین کو اس کی اطلاع دی؛ جو وہاں موجود تھے اور فوراً کام شروع کر دینے کی تاکید کی۔ وکیل نے دستاویزیں پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ اس توسیع کے لیے، بخشی غلام محمد کی ہدایت کے مطابق کھمبے اور تار وغیرہ، بغیر تخمینہ تیار کئے ہوئے، ڈویزنل اسٹور سے لئے گئے تھے۔ وکیل نے بتلایا کہ اس علاقے میں پورے کام پہ ۹۹۶۸ روپے دو پیسے خرچ ہوئے اس رقم میں سے صرف ۹۶۸ روپے دو پیسے تو بلوارڈ کی روشنی کو بہتر بنانے کے سلسلے میں خرچ ہوئے اور باقی ۹ ہزار کی رقم بخشی غلام محمد کے گھر تک بجلی کی توسیع پر لگ گئی۔ لیکن یہ ساری رقم بھی بجلی کے محکمے کے حساب میں ڈال دی گئی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ قاعدے کے مطابق نجی مکان تک بجلی کی توسیع سرکاری اخراجات پہ نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن بخشی غلام محمد کے اشارے سے بے جا طور پر یہ رقم سرکاری خزانے کے سر ڈال دی گئی۔

اشبر میں بخشی کے مکان تک بجلی کی توسیع کا ذکر کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ اگست ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد نے اپنے زیر تعمیر مکان تک بجلی کے سہ رخی چار تار والی لائن کی توسیع کا الیکٹریکل انجینیر سری نگر کو حکم دیا، اس سلسلے میں انھوں نے یہ بھی ہدایت کی کہ اس کے اخراجات بجلی کے محکمے کے مد میں ڈالے جائیں۔ بجلی کا قریب ترین کھمبا جس سے ان کے مکان تک بجلی لے جائی جا سکتی تھی، تقریباً چار سو گز پر تھا۔ اس سلسلے میں سرکاری وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ اس علاقے میں یک رخی دو تار والی لائن

تھی، جسے گپت گنگا سب اسٹیشن سے وہاں تک بدل کر سہ رخی چار تار والی لائن از سرِ نو بچھانی پڑی۔ سرکاری وکیل نے دستاویزوں کا حوالہ دیتے ہوئے بتلایا کہ اسسٹنٹ انجینیر نے اپنے نوٹ میں لکھا تھا کہ "آنرایبل وزیرِ اعظم کے حکم کے مطابق نشاط کے علاقے میں L T لائن کی توسیع" ہوئی۔

دستاویزوں کے حوالہ سے سرکاری وکیل نے کہا کہ بخشی غلام محمد کے نجی مکان تک بجلی کی توسیع ان ہی کے حکم سے عمل میں آئی تھی۔ یہ کام ایک ہفتہ کے اندر ۵۶۱ روپے کے خرچ سے مکمل ہوا۔ یہ صرفہ "دیہی علاقوں میں بجلی کی توسیع کی اسکیم" کے مد میں ڈالا گیا، جو نامنصفانہ اور بے قاعدہ تھا، کیوں کہ اس گاؤں میں، اسی اسکیم کے ماتحت، پہلے ہی بجلی لے جائی جا چکی تھی، اور اب توسیع کرانے والے کے صرف سے اس کی مزید توسیع ہو سکتی تھی۔

سرکاری وکیل نے دستاویزیں اور بیانات حلفی پیش کرتے ہوئے بخشی غلام محمد اور ان کے بیٹے دبہو کے پیش کردہ جوابات کی تردید کی۔ ۲۸ ستمبر کو کمیشن نے چشمہ شاہی اور اشبرمیں جائے وقوع کا یہ دیکھنے کے لیے معائنہ کیا کہ بخشی غلام محمد کی پیش کردہ صفائی کس حد تک درست ہے۔

۱۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے الزام نمبر ۳۳ کمیشن کے سامنے پیش کیا:

"بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت سے فایدہ اٹھا کر ان کے بھائی بخشی غلام نبی نے، ۶۰-۱۹۵۹ء میں، موضع کاک پورہ میں اپنے آرہ مل تک، سرکاری اخراجات پر، بجلی کی توسیع کرا کے، سولہ ہزار

روپے کا ناجائز فایدہ اٹھایا۔"

سرکاری وکیل نے مندرجہ بالا الزام کو پیش کرتے ہوئے کمیشن کو بتلایا کہ بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی غلام نبی مسرز غلام نبی نوردین کمپنی میں حصہ دار تھے۔ اس فرم نے، جو جنگلات کے ٹھیکوں کا کام کرتی تھی، موضع ہاول میں آرہ مل کھڑی کی، اور اپریل ۱۹۵۸ء میں اس کے لیے بجلی کے کنکشن کی درخواست دی۔ اس کنکشن کے لیے بجلی کمپنی کو، گورنمنٹ کے اخراجات پر، اپنے ٹرانس فارمر کو بلواما سے ہاول منتقل کرنا پڑا۔ بہرکیف بجلی کے محکمے نے کنکشن دینے کے لیے یہ شرط لگائی کہ فرم اس بات کی ضمانت دے کہ اس کارخانہ میں بجلی کا سالانہ خرچ پانچ ہزار روپے سے کم نہ ہوگا۔ سرکاری وکیل نے بتلایا کہ یہ کنکشن تو اس فرم کو مل گیا، لیکن کمپنی نے اس شرط کی تکمیل کبھی نہیں کی۔

بخشی غلام نبی نے ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء کو بجلی کے محکمے کے وزیر کو درخواست دی کہ ان کی فرم اپنے آرہ مل کو ہاول سے کاک پورہ منتقل کرنا چاہتی ہے، اس لیے کاک پورہ میں ان کے مل کو بجلی کا کنکشن دیا جائے۔ اور اس کے لیے دلیل یہ پیش کی کہ ان کی فرم بجلی کے لیے جتنا مالیانہ ادا کرتی ہے وہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ اسے کاک پورہ میں بجلی کا کنکشن دیا جائے۔ اننت ناگ ڈویژن میں بجلی کے مالیانہ کے رجسٹر پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے اس دلیل کو ناقص قرار دیا اور کمیشن کو بتلایا کہ اس فرم کے بجلی کے مالیانہ کی رقم ۱۲۰ روپے ماہوار سے کبھی بڑھی ہی نہیں، اور محکمے نے کم از کم پانچ ہزار سالانہ کے مالیانہ کی جو ضمانت مانگی تھی، یہ رقم اس سے کہیں کم تھی۔ بہرکیف سرکاری وکیل نے بحث جاری رکھتے ہوئے کہا کہ متذکرہ بالا درخواست چیف الیکٹریکل انجینیر کے پاس اس رائے کے ساتھ بھیج دی گئی کہ :

"حسب درخواست قاعدے کے مطابق کیا جائے۔"

اسی روز ۱۵ ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو، چیف الیکٹریکل انجینیر نے سندھ ڈویژن کے الیکٹریکل انجینیر کے پاس یہ درخواست بھیج دی، جو اس نے ۳۰ ر دسمبر کو اننت ناگ کے اسسٹنٹ الیکٹریکل انجینیر کو تخمینہ تیار کرنے کے لیے روانہ کی، اور اس نے جو تخمینہ تیار کیا، اس کے مطابق لائن کی توسیع پر ۵۰۵ دہم ۲ روپے اور ٹرانس فارمر کو منتقل کرنے پر ۲۶۰ روپے ۶۲ پیسے کا خرچ تھا۔ متعلقہ دستاویزوں کا حوالہ دیتے ہوئے وکیل نے بتلایا کہ اسسٹنٹ الیکٹریکل انجینیر نے جو خاکہ تیار کیا تھا، اس کے مطابق بجلی کی لائن کاک پورہ گاؤں کے اندر سے گزرتی تھی، اس طرح گاؤں کو بھی بجلی دی جا سکتی تھی، اور اس کی آمدنی سے اخراجات منافع کے ساتھ پورے ہو سکتے تھے۔ الیکٹریکل انجینیر نے اس تجویز کو، بہر حال، قبول نہ کیا اور سری نگر ڈویژن کے اسسٹنٹ الیکٹریکل انجینیر کو پھر سے تخمینہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے تخمینہ کے مطابق ۱۶۰۳۵ روپے کا خرچ تھا، لیکن اس نے گاؤں کے اندر سے بجلی لے جانے کی تجویز کو نظر انداز کر کے براہ راست کارخانے تک بجلی لے جانے کا تخمینہ مرتب کیا تھا اس تخمینے کے موصول ہونے کے بعد الیکٹریکل انجینیر نے بخشی غلام نبی کو اطلاع دی کہ یہ کام گورنمنٹ کے اخراجات پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے جواب میں بخشی غلام نبی نے الیکٹریکل انجینیر سے کہا کہ بخشی غلام محمد چاہتے ہیں کہ یہ کام گورنمنٹ ہی کے صرفے سے انجام پائے۔ یہ سن کر الکٹریکل انجنیر خود بخشی غلام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری صورت حال سے انھیں آگاہ کیا، اور ساتھ ہی گورنمنٹ کے مصارف پر بجلی کی لائن کی توسیع کی سفارش کرنے سے معذوری بھی ظاہر کی۔ لیکن اس کے باوجود بخشی غلام محمد نے

الیکٹریکل انجینیر کو حکم دیا کہ اس کام کو گورنمنٹ ہی کے مصارف پر کرنے کی وہ سفارش کرے، اور فوراً کام شروع کیے جانے کی بھی ہدایت کی۔ اس کے بعد الیکٹریکل انجینیر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس درخواست کے منظور کیے جانے کی وہ معقول طریقے پر سفارش کرے۔ چناں چہ اس نے چیف الیکٹریکل انجینیر کو لکھا کہ اگر دو سو روپے ماہ وار کی بجلی خرچ کرنے کی ضمانت دی جائے تو اس درخواست کا منظور کیا جانا پرمنافع ہو سکتا ہے۔ الیکٹریکل انجینیر کا مرتب کیا ہوا تخمینہ اس اعتبار سے بھی صحیح نہیں تھا کہ اس نے اخراجات کی رقم پر سوا چار فی صدی سود کی رقم کا اضافہ نہیں کیا، جو اسے اصولاً کرنا چاہیے تھا۔

چیف الکٹریکل انجینیر نے اس تخمینہ کی منظوری دیتے ہوئے، اسے خرچ کی "گاندربل پاور ہاؤس میں مزید جنریٹنگ سٹس لگانے" کے مد میں ڈالنے کی ہدایت کی۔ ساتھ ہی اس نے اس کی بھی ہدایت کی کہ مل سے کم از کم دو سو روپے ماہ وار کے مالیانہ کی ضمانت کا رسیدی ٹکٹ کے ساتھ اقرار نامہ بھی حاصل کیا جائے، سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ لائن کی توسیع ہو جانے کے بعد بھی یہ شرط پوری نہیں کی گئی۔

سرکاری وکیل نے کمیشن کو تبلایا کہ اس لائن کی توسیع پر ۱۶،۰۶۹ روپے ۶۴ پیسے کا خرچ آیا، جسے گورنمنٹ کو برداشت کرنا پڑا۔ اور یہی نہیں بلکہ بجلی کے بل بھی، جن کی مجموعی رقم ہزاروں تک پہونچتی تھی، بخشی غلام محمد کے وزارتِ عظمیٰ سے سبک دوش ہونے کے وقت تک ادا نہیں کیے گئے تھے۔

سرکاری وکیل نے بحث کرتے ہوئے متعلقہ ڈویژن کے ریوینو

رجسٹر پیش کیے، جن سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ اور دوسری ملوں نے بجلی کی لائن کی جب بھی توسیع کرائی تو اس سلسلے کے جملہ اخراجات مالکان مل ہی کو ادا کرنے پڑے تھے۔ اس سلسلے کے بیانات حلفی کا حوالہ دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ موضع کاک پورہ میں بخشی غلام نبی کے آرہ مل تک بجلی کی لائن، گورنمنٹ کے صرفے پر، لیے جانے کے سلسلے میں اپنے بھائی کو ۱۶ ہزار روپے کا ناجائز فایدہ پہونچانے کے لیے بخشی غلام محمد نے اپنی سرکاری حیثیت کو ناروا طور پر استعمال کیا تھا۔

۱۰

۱۸ر نومبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے مندرجہ ذیل الزام نمبر ۲ کمیشن کے سامنے پیش کیا:

"سری نگر تحصیل کے موضع زینٹھیر اور استھل کے چالیس کاشتکاروں کو، جن کے نام فردِ جرم کے ضمیمے میں درج ہیں، مختلف تاریخوں میں اپنی اراضیوں کو، بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد، بھائی بخشی عبدالمجید اور ان کی بیوی مقصودہ بیگم کے ہاتھ، قواعد و ضوابط کو پس پشت ڈال کر اور غیر قانونی ذرایع استعمال کر کے، جبراً فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ نیز یہ کہ بیع ناموں میں ان اراضیوں کی جو قیمتیں درج کی گئی تھیں، وہ بھی کاشتکاروں کو پوری پوری نہیں، بلکہ نسبتاً بہت کم ادا کی گئیں۔ بخشی غلام محمد کے داماد میر نصر اللہ نے، جو سری نگر کے ڈپٹی کمشنر تھے، ان سودوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ان ہی کاشتکاروں کا ایک وفد جب یہ فریاد لے کر بخشی غلام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا کہ دباؤ ڈال کر انھیں اپنی اراضیاں بیچنے پر مجبور کیا گیا ہے، تو بخشی غلام محمد نے اس معاملے میں مداخلت کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ انھیں دھمکیاں بھی دیں۔ اس طرح سے بخشی غلام محمد نے اپنے وزیر اعظم ہونے کے منصب سے نازیبا فایدہ اٹھایا، اور

ان کے بیٹے، بھائی اور داماد نے ان اراضیوں کو حاصل کرنے میں بخشی غلام محمد کی سرکاری حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کیا، اور خود انھوں نے اس سے چشم پوشی کی"

اس الزام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے بڑی زمینداریوں کے خاتمے کے اس قانون کا ذکر کیا جو ۱۹۵۰ء میں پاس ہوا تھا، اور جس کی رو سے کوئی شخص ۱۸۲ کنال سے زیادہ اراضی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا، اور فاضل اراضی ان کاشتکاروں میں تقسیم کردی گئی تھی، جو ان کے حقیقی جوتنے بونے والے تھے۔ کوئی کاشتکار اپنی اراضی کو جس کی ملکیت کے حقوق اس قانون کی رو سے اسے حاصل ہوئے تھے، فروخت کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ دس سال بعد، ۱۹۶۰ء میں، اس قانون میں تھوڑی سی ترمیم کی گئی، جس کی رو سے میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا، نوٹی فائیڈ ایریا اور کنٹونمنٹ کے حدود میں مکان کی تعمیر کے لیے حقوقِ ملکیت منتقل کرنے کی اجازت مل گئی تھی، لیکن اس کے لیے وزیرِ مال کی اجازت ضروری تھی۔

استھل اور زینٹھیر کے کاشتکاروں کو بھی خاتمہ زمینداری کے قانون کے تحت اس اراضی پر حقوق ملکیت حاصل ہوئے تھے، جسے وہ جوتتے بوتے تھے۔ اس قانون میں ترمیم ہوتے ہی بخشی غلام محمد کے داماد میر نصر اللہ نے، جو سری نگر کے ڈپٹی کمشنر تھے، پٹواری کو بلوا کر متذکرہ بالا دونوں مواضعات کے ایسے کاشتکاروں کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا، جنھیں نئے قانون کے تحت حق ملکیت ملا تھا، اور ان کے ناموں کے آگے ان کی مملوکہ اراضی کے خسرہ اور کھاتہ نمبر بھی درج کرنے کی

ہدایت کی۔ جب یہ فہرست تیار ہو گئی تو میر نصر اللہ نے زینٹھیر اور استھل کے چالیس کاشتکاروں کی ایک فہرست سری نگر تحصیل کے ایک چپراسی کے حوالے کرتے ہوئے ان سب کو بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبد المجید کی کوٹھی پر لے جانے کی ہدایت کی۔ اس حکم کے مطابق چپراسی ان سب کاشتکاروں کو بخشی عبد المجید کی کوٹھی پر لے گیا۔ وہاں سادے اسٹامپ پر بخشی مجید نے اس بہانے سے ان کے انگوٹھے لگوائے کہ محکمہ مال میں درخواست دی جائے گی کہ ان کی اراضیوں سے ملحق زیر نہر اور شاملات کی جو زمین ہے وہ بھی انھیں ملنی چاہیے۔ بعد میں اسٹامپ کے ان ہی سادے کاغذات پر بخشی عبد المجید نے ان کی اراضیوں کے بیع ناموں کے مسودے لکھوائے، جن میں اس کی بھی وضاحت تھی کہ بیع نامہ کرنے والوں نے اپنی اراضیوں کا قبضہ دے دیا ہے اور اس کی قیمت انھیں مل چکی ہے۔

سرکاری وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ متذکرہ اراضیوں کو فروخت کرنے کی اجازت کے لیے ۱۴ر جنوری ۱۹۶۱ء کو استھل اور زینٹھیر کے ان ہی کاشتکاروں کی طرف سے درخواستیں بھی دی گئیں، جن میں اراضیات کی تفصیل وغیرہ میر نصر اللہ نے گواش لال عرضی نویس سے لکھوائی۔ ان درخواستوں پر چونکہ درخواست دہندوں کے انگوٹھوں کے نشان نہیں تھے، اس لیے عرضی نویس نے اپنے رجسٹر میں ان کے اندراج نہیں کیے تھے۔ انگوٹھے میر نصر اللہ ہی نے بعد میں دوسروں سے لگوائے اور یہ درخواست وزیر مال کو بھیج دی گئی۔

سرکاری وکیل نے انکشاف کیا کہ نشانات انگوٹھے کے ماہروں نے ان درخواست کی جانچ کی ہے، اور وہ اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ ایک کے علاوہ

اور جتنے انگوٹھوں کے نشان ہیں وہ ان کاشتکاروں کے انگوٹھوں کے نشانوں سے مطابقت نہیں رکھتے، جن کی طرف سے یہ درخواستیں دی گئی تھیں۔ بہرکیف وزیر مال سے اجازت مل جانے کے بعد کاشتکاروں سے جبراً، اور غلط بیانی کر کے ان کی اراضیاں زبردستی لی گئیں۔ سرکاری وکیل نے یہ بھی بتلایا کہ ان بیع ناموں کی رجسٹری کے وقت بھی بے عنوانیاں اور بے قاعدگیاں کی گئی تھیں۔

یہ سب کاشتکار، حقیقت واضح ہونے کے بعد، تین بار وزیر اعظم بخشی غلام محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فریاد کی کہ ان سے جبراً بیع نامے کرائے جا رہے ہیں اور اسٹامپ کے سادے کاغذوں پر انگوٹھے لگوائے گئے ہیں۔ پہلی بار تو بخشی غلام محمد نے ان سے کہا کہ وہ ڈپٹی کمشنر سے کہیں گے اور وہ لوگ جا کر ڈپٹی کمشنر سے ملیں۔ لیکن ڈپٹی کمشنر نے جب کچھ نہ کیا تو دوسری مرتبہ وہ پھر بخشی غلام محمد کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا یہ اراضیاں انھیں گورنمنٹ ہی نے دی تھیں، اگر اب یہ واپس لی جا رہی ہیں تو اس کی انھیں شکایت نہ ہونی چاہیے۔ اس جواب کے باوجود تیسری بار یہ کاشتکار پھر بخشی غلام محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھیں جواب ملا کہ پاکستانی کیڑے ان کے دماغ میں پیدا ہو گئے ہیں، اور انھیں نکالنے کی ضرورت ہے۔ بخشی غلام محمد کے سبکدوش ہونے کے وقت تک ان کاشتکاروں نے مارے ڈر کے پھر زبان نہیں کھولی۔ سرکاری دعوے کے ثبوت میں وکیل نے جو دستاویزیں پیش کیں ان میں نشان انگوٹھا پہچاننے والوں کی رپورٹیں، اسٹامپ فروش کا رجسٹر بکری اور بہت سے کاغذات تھے۔

انگوٹھوں کے نشان کے ماہرین کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ بیع ناموں پر اراضی فروخت کرنے والے سات کاشتکاروں کے تو انگوٹھوں کے نشان سرے سے ہیں ہی نہیں اور دو کے انگوٹھوں کے نشان مطابقت نہیں رکھتے۔ رسیدوں کا ذکر کرتے ہوئے وکیل نے کہا کہ چار کی رسیدیں تو ملتی ہی نہیں ہیں، اور دس میں انگوٹھوں کے نشان چونکہ مسخ کر دیئے گئے ہیں اس لیے نشان انگوٹھا پہچاننے والے کوئی رائے نہیں دے سکے۔ رسیدوں کو کمیشن کے سامنے پیش کرتے ہوئے وکیل نے کہا کہ عبارت کا آخری حصہ انگوٹھوں کے نشان پر بھی ٹائپ کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹائپ کرنے کے بعد انگوٹھوں کے نشان نہیں لگوائے گئے تھے۔ بلکہ پہلے سادے کاغذ پر انگوٹھے لگوائے گئے تھے، اور بعد میں ان پر عبارت ٹائپ کی گئی تھی، جو اندازے سے زیادہ نکلی اور انگوٹھے کے نشان اوپر تک چلی گئی۔

سرکاری وکیل نے اس سلسلے میں انکشاف کیا کہ بخشی بشیر احمد نے کاشتکاروں کو ان اراضیوں کی پوری قیمت بھی ادا نہیں کی، اور اس امر کے دستاویزی ثبوت پیش کئے کہ بیع ناموں کے مطابق اراضیوں کی مجموعی قیمت ۱۷۴۰۴۳ روپے بنتی ہے، لیکن فیرڈیل موٹر کمپنی کے کھاتوں کے اندراجات کے مطابق ان اراضیوں کا معاوضہ صرف ۱۴۱۸۱ روپیہ ادا کیا گیا تھا، اور اسی رقم میں اسٹامپ کی خریداری بھی شامل تھی۔ اس کے ساتھ ہی فیرڈیل موٹر کمپنی کے ۱۹۶۲ء کے کھاتے کا حوالہ دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتلایا کہ بخشی بشیر احمد کی بیوی یاسمین بخشی کی اراضی کی قیمت بھی ...۲۱ روپے ادا کی گئی تھی۔ ان بیع ناموں کی بعض عجیب و غریب خصوصیات کی طرف سرکاری وکیل

نے خاص طور سے اشارہ کیا۔ مثلاً اس نے بتایا کہ ان دستاویزوں کے مطابق معاوضہ پہلے ہی ادا کیا جا چکا تھا، جو بڑی عجیب بات ہے۔ اس نے سوال کیا کہ معاوضہ آخر سب رجسٹرار کے سامنے کیوں ادا نہیں کیا گیا؟ بیع ناموں کی رجسٹری کے قانون کی دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ اکثر ضابطوں کی پابندیوں کو بھی نظر انداز کیا گیا تھا۔

یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو مندرجہ ذیل الزام نمبر ۳ پر بحث شروع کی گئی:

"استقل اور زینپھیر کے مواضعات میں بخشی بشیر احمد، بخشی مجید اور مقصودہ بیگم کی حاصل کی ہوئی اراضیات سے متصل سرکاری اور کاشتکاروں کی جو اراضیات تھیں، ان پر ناجائز قبضہ کیا گیا، اور محکمہ مال کے رجسٹروں میں ان کے نام سے ان کا اندراج کرایا گیا۔"

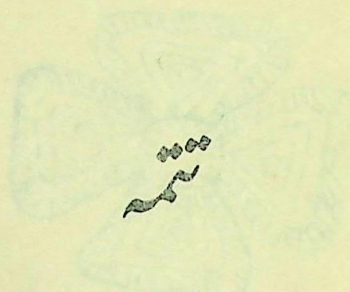
سرکاری وکیل نے کمیشن کو بتایا کہ بخشی غلام محمد کے بیٹے بخشی بشیر احمد اور بھائی بخشی عبد المجید اور بخشی مجید کی بیوی مقصودہ بیگم نے متذکرہ مواضعات کی جن اراضیوں کو جبراً حاصل کیا تھا، ان سے متصل دوسری اراضیوں پر بھی انھوں نے ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہ تین طرح کی اراضیاں تھیں — (۱) پرایویٹ پرس کی اراضیاں۔ (۲)۔ خالصہ سرکار کی اراضیاں (۳)۔ کاشتکاروں کی اراضیاں۔

سرکاری وکیل نے کہا کہ پہلی قسم کی اراضیوں کا وہ ذکر نہ کرے گا، کیونکہ جیسا کہ کمیشن نے بھی کہا ہے، ان کے متعلق کوئی شکایت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ وہ صرف ان اراضیوں سے بحث کرے گا جو یا تو حکومت کی یا کاشتکاروں کی ملک تھیں اور ان پر ناجائز قبضہ کیا گیا ہے۔ اس طرح کی اراضیوں کا مجموعی رقبہ ۹ کنال ۲ مرلا ہوتا ہے،

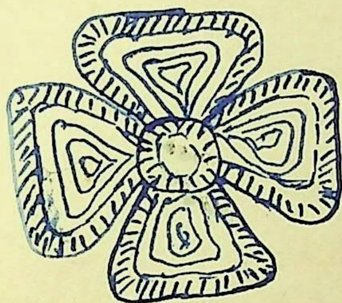
جس میں سے ۱۳ کنال ۱۸ مرلا اراضی کاشتکاروں کی ہے اور باقی ۵ کنال ۱۴ مرلا سرکاری ہے۔ اس موقع پر کمیشن نے یہ جاننے کی خواہش کی کہ اس الزام کی بخشی عبدالمجید نے کیا صفائی پیش کی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے سرکاری وکیل نے بتایا کہ بخشی عبدالمجید نے اپنی صفائی میں کہا ہے کہ انھوں نے صرف اسی اراضی پر قبضہ کیا ہے، جس کی خود فروخت کنندوں نے، فروخت کرتے وقت، نشان دہی کی تھی۔ سرکاری وکیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ بخشی عبدالمجید نے ایک قبرستان پر بھی قبضہ کرکے اپنی اراضی میں شامل کر لیا ہے، جس کا اندراج محکمہ مال کے رجسٹروں میں بھی موجود ہے۔

سرکاری وکیل نے ایک نقشہ بھی پیش کیا، جسے محکمہ مال کے افسروں نے تیار کیا تھا، جس میں مقبوضہ اراضیوں کی نشان دہی کی گئی تھی۔ کمیشن نے کہا کہ یہ نقشہ اس وقت تک قابل اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک اس کی تائید میں محکمہ مال ہی کے متعلقہ کاغذات نہ پیش کیے جائیں۔ سرکاری وکیل نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس کی تصدیق ان جمع بندیوں سے ہو سکتی ہے جنھیں رجسٹری کے وقت بیع ناموں کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔

قبرستان کے سلسلے میں بخشی مجید نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ قبرستان نہیں بلکہ نالہ تھا۔ سرکاری وکیل نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ قبرستان ایک اونچی سطح پر واقع تھا، جو کسی طرح بھی نالہ ہو ہی نہیں سکتا۔



تتمه



۲۲ر دسمبر ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل نے بحث ختم کی۔ اس کے ساتھ ہی کمیشن کی عدالتی کارروائی کا خاتمہ ہونا تھا۔ اس سے ٹھیک ایک روز پہلے ۲۱ر دسمبر کو، بخشی غلام محمد کی طرف سے یہ عرض داشت پیش کی گئی کہ ۲۲ر دسمبر کو وہ خود اور ان کے قانونی مشیر دہلی سے آئیں گے اور کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر مختلف الزامات کے سلسلے میں سرکاری وکیل کی بحث کا جواب دیں گے۔ لیکن ۲۲ر دسمبر کو اس عرض داشت کے مطابق، نہ تو بخشی غلام محمد اور نہ ان کے وکیل ہی کمیشن کے سامنے حاضر ہوئے۔ بالآخر سرکاری وکیل کی بحث ختم ہونے کے بعد کمیشن نے کارروائی ختم کر دی۔

۳۰ر دسمبر کو بخشی غلام محمد کی ایک اور درخواست کمیشن کے کے سامنے پیش کی گئی، جس میں ۲۲ر دسمبر کی عدم حاضری کا

عذر لنگ پیش کرتے ہوئے، کمیشن سے استدعا کی گئی تھی کہ اس تحقیقات کی از سر نو سماعت شروع کی جائے۔ اس درخواست کو خارج کرتے ہوئے کمیشن نے طویل فیصلہ لکھا، جو اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اس سے بخشی غلام کے اُس رویے پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے جو کمیشن کے ساتھ انھوں نے اختیار کیا تھا۔

تحقیقاتی کمیشن کی عدالت میں
(حکومت جموّں و کشمیر)

متفرق درخواست نمبری ۶۶ بابت ۱۹۶۶ء

سائیل بخشی غلام محمد
بنام
حکومت جموّں و کشمیر

بخشی غلام محمد کے خلاف جو تحقیقات ہو رہی ہے، اسی کو از سر نو شروع کرنے کے لئے یہ درخواست دی گئی ہے، اگرچہ انھوں نے سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اس کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے سے ارادتاً گریز کیا ہے۔ یہ درخواست بھی اس وقت موصول ہوئی، جب کہ ۲۲ر جنوری ۱۹۶۶ء کو سرکاری وکیل کی بحث ختم ہونے کے بعد اس تحقیقات کے نتایج کے بارے میں اپنے فیصلے کے احکام ہی میں نے محفوظ رکھے تھے۔

پیش نظر درخواست پر غور کرتے وقت ۲۲ر جنوری کو سایل کی عدم حاضری کا سوال اتنا اہم نہیں، جتنا کہ یہ بنیادی سوال ہے کہ سایل اس تحقیقات میں حصہ لینا اور کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنا بھی چاہتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحقیقات، جو اب ختم ہو چکی ہے اور جس کا فیصلہ ہی سنانا باقی ہے، اسے از سر نو شروع کرنے کا کوئی جواز بھی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں سایل کی اُس روش کی حقیقی تصویر میں پیش کر رہا ہوں، جو تحقیقات کے مختلف مدارج پر اس کمیشن کے باب میں اس نے اختیار کئے ہیں، نیز سایل کے ان وعدوں کا میں ذکر کرونگا جو کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کے وقتاً فوقتاً

مجھ سے کئے تھے، اور جن کے متعلق اب مجھے یقین ہے کہ ایفا کرنے کے لئے وہ وعدے نہیں کئے گئے تھے۔ ان ہی باتوں کی بنا پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سایل کی یہ درخواست خلوص یا نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے، جس میں اپنی صفائی کی سماعت کے لئے از سر نو تحقیقات شروع کرنے کی خواہش کی گئی ہے۔

اس کمیشن کے ابتدائی دور ہی سے بخشی غلام محمد کو التوا و توسیع کی وہ تمام مراعتیں میں دیتا رہا ہوں، جن کی انھوں نے وقتاً فوقتاً درخواست کی ان تمام موقعوں پر میں نے جو فیصلے کئے ان میں اس امر کا بھی میں نے اظہار کیا کہ یہ مراعتیں میں صرف اس لئے برت رہا ہوں کہ اس تحقیقات کے سلسلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بخشی غلام محمد کو اپنی صفائی میں کیا کہنا ہے، اور تحقیقات کے سلسلے میں ان کے تعاون کا بھی میں خواہش مند رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ فروری ۱۹۶۶ء میں جب تحقیقات شروع ہوئی اس وقت سے لے کر ستمبر ۱۹۶۶ء تک۔ جب کہ ہائی کورٹ میں رٹ داخل ہونے اور اس کے نتیجے میں امتناعی احکام جاری ہونے کی وجہ سے کمیشن کی کارروائی غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی رہی۔ اس تمام عرصے میں ایک بار بھی ایسا نہ ہوا کہ سایل کے وکیل نے میری ہدایت کے مطابق صفائی پیش کرنے کے لئے وقت مانگا ہو، اور وہ نہ دیا گیا ہو۔ بلکہ میں اتنا اضافہ اور کردوں گا کہ اس عرصے میں بخشی غلام محمد کے وکیل کی امداد پر، جو ان کی طرف سے کارروائی میں حصہ لے رہا تھا، میں نے اکثر اطمینان و پسندیدگی کا بھی

اظہار کیا تھا۔

اس کے بعد ہائی کورٹ میں رٹ اور اس کے فیصلے کے بعد سپریم کورٹ میں اپیل ہوئی۔ ۶/مئی ۱۹۶۶ء کو سپریم کورٹ نے یہ اپیل خارج کر دی سپریم کورٹ کے فاضل چیف جسٹس نے اپنے فیصلے میں یہ رائے بھی ظاہر کی تھی کہ جتنی جلد ہو سکے کمیشن تحقیقات کا کام ختم کر دے۔ مجھے اس حقیقت کا بھی احساس ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سطحی طور پر، صفائی کے بیانات سنے بغیر، تحقیقات کی جائے۔ چناں چہ سایل کو حاضر ہونے اور اپنی صفائی پیش کرنے پر آمادہ کرنے کی جو کوششیں میں نے کیں اس کی شہادت آگے آنے والے واقعات دیں گے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد، ۱۸/مئی ۱۹۶۶ء کو کمیشن کا پہلا اجلاس ہوا۔ بخشی غلام محمد کے وکیل کو اس اجلاس میں حاضری کا نوٹس دیا گیا اور وہ حاضر بھی ہوا۔ بایں ہمہ بخشی غلام محمد نے تار کے ذریعے سماعت کے التوا کی اس عذر کے ساتھ درخواست دی کہ انھیں نوٹس اتنے کم وقت میں ملا تھا کہ اپنے وکیل کو حاضر ہونے کی وہ ہدایت نہیں دے سکے ہیں۔ ان کے وکیل نے بھی، جو حاضر تھا، اسی طرح کی استدعا کی۔ میں نے، بہر کیف، اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ آج کی تاریخ تو صرف اس لیے مقرر کی گئی تھی کہ طرفین کی سہولت کو مدنظر رکھ کر یہ طے کیا جائے کہ ہائی کورٹ میں رٹ داخل کرنے کی بنا پر سماعت جس جگہ پر ملتوی ہوئی تھی، اس کے آگے کس تاریخ سے شروع کی جائے۔ سایل کے فاضل وکیل نے، جو اس وقت

ان کی طرف سے حاضر تھا، مجھ سے یہ بھی کہا کہ سماعت کے وقت میں نے جو اظہار خیال کیا تھا، اور اس وقت جو فیصلہ ہوا تھا، اس کے پیش نظر بخشی غلام محمد کو یہ بدظنی نہیں ہے کہ التوا کی جو درخواست انھوں نے کی تھی اُسے میں نے مسترد کر دیا تھا۔

چناں چہ طرفین کو سماعت کی آخری منزل کی تیاری کا موقع دینے کے لئے کارروائی میں نے تقریباً ایک مہینے کے لئے ملتوی کر کے آئندہ سماعت کی تاریخ ۱۵ر جون ۱۹۶۶ء مقرر کی۔

متذکرہ بالا تاریخ کا تعین کرنے سے پیش تر بخشی غلام محمد کے وکیل سے میں نے خواہش کی کہ آج کی اور آئندہ سماعت کی تاریخ کے درمیانی وقفے میں فائلوں کے معائنے کے اس بقیہ کام کو وہ ختم کر لیں، جسے وسط اگست ۱۹۶۶ء کے بعد انھوں نے ملتوی کر دیا تھا۔ (وسط اگست تک ان لوگوں نے صرف ٹرانسپورٹ گروپ ہی کے الزامات — نمبری ۱۶، ۱۹، ۲۲–۲۷، ۳۵، ۳۷ کا معائنہ ختم کیا تھا)۔ سرکاری وکلا کو بھی میں نے یہ طے کرنے اور مجھے، نیز بخشی غلام محمد کے وکلا کو اس کی نقل بھیج کر باضابطہ اطلاع دینے کی ہدایت کی کہ سماعت کی اس آخری منزل میں الزامات کی ترتیب کیا ہوگی۔ اس ہدایت کے مطابق سرکاری وکیل نے ۱۳ر جون ۱۹۶۶ء کو الزامات کی ترتیب کا مسودہ داخل کیا اور اس کی نقل بخشی غلام محمد کو بھی باضابطہ بھیجی۔

۱۵ر جون ۱۹۶۶ء کو سماعت شروع ہوئی تو بخشی غلام محمد نے التوا

کی ایک اور درخواست پیش کردی، جس میں مدت کا تعین بھی نہیں کیا گیا تھا۔ چوں کہ میرا خیال تھا کہ ۱۸ مئی تا ۱۵ جون۔ ایک ماہ کی جو مہلت میں نے دی تھی وہ وکیل کرنے اور سماعت کی تیاری کے لئے کافی تھی۔ نیز اس لئے بھی کہ انھوں نے اپنے مقامی وکیل کو فائلوں کا معائنہ کرنے کی بھی ہدایت نہیں کی تھی۔ چناں چہ ان کی التوا کی اس درخواست کو قبول کرنے پر میں آمادہ نہ ہو سکا۔

۱۶ مئی کو بخشی غلام محمد نے ایک اور درخواست گزرانی، جس میں کہا گیا تھا کہ سماعت کی آخری منزل کے لئے الزامات کی جو ترتیب مقرر کی گئی ہے، اس کے بارے میں دہلی کے آزمودہ کار وکلا سے مشورہ نہیں کیا جا سکا ہے۔ نیز یہ کہ ۱۵ مئی کو الزام نمبر ۱۶ کی سماعت کرنے میں، میں حق بجانب نہیں تھا۔ چناں چہ اس درخواست کے ملتے ہی، کھلے اجلاس میں، اس پر میں نے یہ حکم لکھوایا کہ جہاں تک الزام نمبر ۱۶ کا تعلق ہے، یہ تو ستمبر ۱۹۶۵ء ہی میں سماعت کے لئے تیار کیا جا چکا تھا، اور اس کی سماعت کی تاریخ، طرفین کی رضامندی سے ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء مقرر کی گئی تھی، لیکن سائل نے چوں کہ ہائی کورٹ سے التوا کا حکم حاصل کر لیا تھا، اس لئے اس پر بحث نہیں ہو سکی تھی۔ چناں چہ میں نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ الزام کی ترتیب کا مسودہ تیار کرنے کی سرکاری وکیل کو جب میں نے ہدایت کی تھی، تو اس وقت میرا مقصد یہی تھا کہ ٹرانسپورٹ سے متعلق الزامات اس فہرست سے خارج ہیں۔ اس سماعت کی جو کارروائی طرفین میں گشت کرائی گئی تھی، اگرچہ اس میں یہ بات

تخصیص کے ساتھ نہیں کہی گئی تھی، تاہم ۱۸ر مئی کی سماعت کے دوران اس کی وضاحت کردی گئی تھی اور طرفین کے وکلا نے اسے بہ خوبی سمجھ بھی لیا تھا میری چوں کہ بہت زیادہ خواہش تھی کہ بخشی غلام محمد تحقیقات میں حصہ لیں اور اپنی صفائی پیش کرکے میری مدد کریں، اس لئے ان کی درخواست پر حکم صادر کرتے ہوئے میں نے دو ہدایتیں بھی کیں، ایک تو یہ کہ کل یعنی ۱۷ر جون ۱۹۶۶ء سے ۴ر جولائی ۱۹۶۶ء تک کارروائی ملتوی رہے گی۔ اس طرح سے انھیں کوئی تین ہفتے کا وقت مل جائے گا، اور اگر واقعی وہ چاہتے ہیں تو اس عرصے میں وکیل بھی کرسکیں گے اور معقول طریقے پر انھیں ہدایات بھی دے سکیں گے۔

دوسری ہدایت میں نے یہ دی کہ ۴ر جولائی کو سرکاری وکیل، بخشی غلام محمد کے وکلا کی موجودگی میں، ان دلایل کو دہرائے جو اس نے ۱۵، ۱۶، ۱۷ر جون کو پیش کیے تھے تاکہ دوسری پارٹی کو بھی وہ باتیں معلوم ہوسکیں، جن کے انھیں جواب دینے ہیں۔

۱۶ر جون کے فیصلے میں اس بات کا پھر اعادہ کیا، جو ۱۸ر مئی کے فیصلے میں بھی میں نے کہی تھی، کہ بخشی غلام محمد کم از کم اپنے چند وکلا کو فایلوں اور دستاویزوں کے معائنے کے لئے ضرور مقرر کریں، تاکہ آئندہ اس کی بنا پر التوا کی درخواست دینے کی گنجایش باقی نہ رہے۔ بخشی غلام محمد نے اپنی اسی درخواست میں چوں کہ دہلی کے وکلا سے مشورہ کرنے اور اپنے دفاع کے لئے ان کی خدمات حاصل کرنے کی بھی بات کہی تھی، اس لئے قدرتی طور پر مجھے خیال ہوا کہ سنجیدگی

سے ان کا یہ ارادہ ہے، اور مجھے توقع ہوئی کہ ۱۴ جولائی کو جب سماعت شروع ہو گی تو ان کے وکلا کی مدد سے ان کی صفائی کو سمجھنے کا موقع ملے گا اور ایسا دستاویزی مواد میرے سامنے پیش کیا جائے گا، جس سے ان کی صفائی کی تائید ہو سکے گی۔

بہر کیف یہ دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ کسی وکیل نے بھی دستاویزوں کا معائنہ نہ کیا، اور ۱۴ جولائی کو جب اجلاس شروع ہوا تو پچاس صفحات کی ایک طویل درخواست پھر میرے سامنے پیش کی گئی۔ جو پرانی باتوں کو دہرانے کے علاوہ زورِ خطابت سے اس درجہ لبریز اور لفاظی سے اس قدر پر تھی کہ بہت سے ٹکڑوں کا تو مفہوم ہی زورِ بیان کے طوفان میں ناپید ہو گیا تھا مسٹر بھسین، جنھوں نے سائل کی یہ درخواست پیش کی تھی، ان سے جب میں نے درخواست پر بحث کرنے کی خواہش کی تو انھوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ میں خود اس درخواست کو پڑھ کر احکام صادر کر دوں۔ انھوں نے اتنا اور اضافہ کیا کہ بخشی غلام محمد نے جن امور کی وضاحت چاہی ہے، ان کی بابت جو احکام صادر ہوں گے، ان سے جب تک وہ مطمئن نہ ہوں، اس وقت تک تحقیقات میں حصہ نہ لینے کی انھوں نے ہدایت کی ہے۔

اس روش پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے میں نے یقین دلایا کہ جہاں تک ہو سکے گا، میں ان امور کی وضاحت کروں گا، جن کی وضاحت طلب کی گئی ہے۔ ساتھ ہی میں نے یہ تجویز بھی فاضل وکیل کے

سامنے پیش کی کہ اس درخواست کو تو غور سے پڑھنے اور پوری طور پر سوچ بچار کرنے کے بعد ہی میں احکام صادر کروں گا، لیکن اس درمیانی عرصے میں فاضل وکیل کم از کم یہاں بیٹھ کر سرکاری وکیل کی بحث کو سنے تو لیکن مسٹر بھسین نے اسے بھی قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ اس کے بعد احکام صادر کرنے کی تاریخ میں نے ۱۱ر جولائی ۱۹۶۶ء مقرر کی۔ اس درخواست میں جن امور کی وضاحت چاہی گئی تھی، ان میں سے ہر ایک پر اپنے فیصلے میں چوں کہ میں تفصیلی بحث کر چکا ہوں، اس لئے اب اس تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے کہ وہ امور کیا تھے اور ان کی بابت میں نے کیا فیصلہ کیا تھا۔

اس درخواست میں اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا کہ مجھے اس امر پر حکومت سے اصرار کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جن لوگوں کے بیان حلفی داخل کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک زبانی جرح کے لئے پیش کیا جائے۔ پہلے بھی یہ سوال میرے سامنے پیش کیا جا چکا تھا اور میں اپنے فیصلے مورخہ ۷ر اگست ۱۹۶۵ء میں اسے خارج بھی کر چکا تھا۔ پھر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا گیا تھا، اور ان کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ قانون اس طریق کار کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں ۷ر اگست ۱۹۶۵ء کے فیصلے میں جو کچھ میں نے کہا تھا، اس کی اور زیادہ وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی میں نے بتایا کہ اس کا بخشی غلام محمد پر کوئی اثر نہ ہوگا، اگر واقعی وہ ان الزامات کی صفائی

پیش کرنا چاہتے ہیں، جو ان پر لگائے گئے ہیں، اور کارروائی کو برسوں تک طول دینا نہیں چاہتے۔ اس لئے گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کرنا بے معنی ہے کہ وہ ان سب لوگوں کو جرح کے لئے پیش کرے جنھوں نے صرف دستاویزوں کے مواد کی تصدیق کی ہے۔

مزید برآں میں نے یہ بھی کہا کہ ایسے بیان حلفی جن میں دستاویزی مواد ہی کی تکرار پر اکتفا نہیں کی گئی ہے، بلکہ ان سے ہٹ کر بھی کچھ واقعات بیان کئے گئے ہیں، میں اس وقت تک ان کے بیانات سے مطمئن نہ ہوں گا جب تک کہ انھیں زبانی جانچ نہ لیا جائے اور ان سے جرح نہ کر لی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریق کار بالکل درست تھا، جس میں طرفین کو اس کی آزادی تھی کہ ہر اس گواہ کو جرح کے لئے طلب کریں، جس کے بیان حلفی کی تائید ناقابل تردید دستاویزوں سے نہ ہوتی ہو۔ اس طرح سے جلد کارروائی ختم ہونے کے علاوہ طرفین کو انصاف کی بھی توقع ہو سکتی تھی۔

اس فیصلے کو سننے کے بعد بخشی غلام محمد کے وکیل مسٹر بھسین نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ ان کی درخواست کے مسترد ہونے کے مرادف ہے۔ انھوں نے نہایت واضح الفاظ میں یہ بھی کہا کہ چوں کہ میں نے اپنے ۷ اگست والے فیصلے میں ترمیم نہیں کی ہے، اور بیان حلفی داخل کرنے والے ہر شخص کو زبانی جرح کے لئے طلب کرنے پر آمادہ نہیں ہوں، اس لئے ان کا موکل تحقیقات میں حصہ نہ

لے گا۔

فاضل وکیل جب جانے لگے تو میں نے یہ تجویز پیش کی کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ وہ کسی شخص کو سرکاری وکیل کی بحث سننے اور اس کے نوٹ لینے کے لئے متعین کر دیں، تاکہ اگر کسی وقت ان کے موکل کے ارادے میں تبدیلی پیدا ہو، اور وہ کمیشن کی کارروائی میں حصہ لینے کا فیصلہ کرے، تو بہ آسانی یہ معلوم ہو سکے کہ مخالف وکیل نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے اور کن امور کی طرف کمیشن کو توجہ دلائی ہے۔ اس کے جواب میں مسٹر بھسین نے کہا کہ انھیں معلوم ہے کہ مخالف پارٹی کیا کہے گی، اس لئے کسی کو متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ روانہ ہو گئے۔

بخشی غلام محمد اور ان کے وکیل کی اس روش پر مجھے بے حد افسوس ہوا، لیکن اس کے سوا میں اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ جولائی کے نصف اواخر میں کمیشن کی کارروائی میں تھوڑا سا وقفہ ہوا، اس کے بعد یکم اگست ۱۹۶۶ء کو اجلاس پھر شروع ہوا اور اس کا سلسلہ پورے مہینے تک جاری رہا۔ مسٹر بھسین نے اگرچہ جاتے ہوئے کہا تھا کہ کارروائی کے مطالعہ کے لئے بخشی غلام محمد کی جانب سے کسی شخص کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن نندا نامی ایک شخص کو، جو میرے خیال میں پہلے ریاستی سرکار کا ملازم تھا، پبلک گیلری میں بیٹھ کر کارروائی کا مطالعہ کرنے اور نوٹس لینے پر مقرر کیا گیا تھا۔

اگست کے مہینے میں بخشی غلام محمد یا ان کے کسی قانونی مشیر کی شکل

مجھے نظر نہ آئی۔ ستمبر میں بھی کارروائی چلتی رہی اور اس مہینے میں بھی یہی حال رہا۔ وسط ستمبر میں سرکاری وکیل نے یہ تجویز پیش کی کہ الزام نمبر ۳۲ کے سلسلے میں بہتر ہوگا کہ اشبر اور چشمہ شاہی میں بخشی غلام محمد اور بخشی بشیر احمد کے ان مکانوں کا بھی میں معائنہ کرلوں، جو اس الزام کا موضوع ہیں۔ یہ تجویز میں نے پسند کی اور اس سلسلے میں اپنے سکریٹری سے ایک خط میں نے بخشی غلام محمد کو لکھوایا کہ کیا یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ میں دونوں رہائش گاہوں کا معائنہ کرلوں۔

فاضل وکیل مسٹر بھسین نے بخشی غلام محمد کی طرف سے جواب دیتے ہوئے اس تجویز کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد میں ان کے معائنہ کے لیے گیا۔ اشبر کے مکان میں، جہاں میں پہلے گیا، خود بخشی غلام محمد موجود تھے۔ انھوں نے میرا استقبال کیا اور خود ہی مکان دکھلاتے ہوئے، بتلایا کہ کیوں اور کیسے بجلی کی لائن وہاں تک لائی گئی تھی۔ اس کے بعد بخشی بشیر احمد کا مکان دیکھنے کے لئے میں چشمہ شاہی گیا۔ وہاں بھی مکان دکھلانے کے لئے بخشی غلام محمد میرے ساتھ رہے۔

جائے وقوع کے معائنہ کے بعد، بخشی غلام محمد نے موقع سے فایدہ اٹھاتے ہوئے، مجھ سے کہا کہ تحقیقات میں حصہ نہ لینے کا مشورہ انھیں غلط دیا گیا تھا، اور ۱۱ر جولائی ۱۹۶۶ء کو میں نے جو فیصلہ کیا تھا، اسے بہ غور پڑھنے کے بعد میرے سامنے حاضر ہونے اور صفائی پیش کرنے کا انھوں نے فیصلہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں ان سے میں نے کہا کہ ان کی روش

کی اس تبدیلی کو میں خوش آئند سمجھتا ہوں اور تحقیقات میں ان کے حصہ لینے اور صفائی پیش کرنے کا متمنی ہوں۔ اس سلسلے میں بخشی غلام محمد نے یہ بھی کہا کہ میری دیانت داری اور غیر جانب داری کا انھیں قطعی یقین ہے اس اظہارِ خیال کے لئے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

۴ر جولائی ۱۹۶۶ء کی درخواست میں بعض باتیں انھوں نے ایسی لکھی تھیں، جن سے مترشح ہوتا تھا کہ مجھ سے انصاف کی انھیں توقع نہیں ہے، اس کے لئے معذرت پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ حصے بالکل بے خیالی میں در آئے تھے، جن کا انھیں علم بھی نہیں تھا۔ انھوں نے مجھ سے خواہش کی کہ ان باتوں کو میں بھول جاؤں کیوں کہ وہ اس کے لئے معافی مانگ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی بعض مجبوریوں کا بھی ذکر کیا۔ جنھیں میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکا، جو سری نگر میں میرے سامنے پیش ہونے میں انھیں لاحق تھیں۔ ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ جموں میں جب کمیشن کا اجلاس ہوگا تو وہاں وہ حاضر ہوں گے۔ اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے میں نے کہا کہ اگرچہ ان کے نمائندے مسٹر نندا کمیشن کے اجلاس میں آتے تھے اور کارروائی کے نوٹ بھی لیتے تھے، لیکن سرکاری وکیل کی بحث اور دوسری کارروائیوں کے جو نوٹ کمیشن کے اسٹونوگرافروں نے لئے ہیں، ان کے دیکھنے کی بھی انھیں اجازت دی جائے گی۔ میں نے یہ بھی وضاحت کی کہ یہ نوٹ اگرچہ صرف میرے ہی استعمال کے واسطے لئے گئے تھے، لیکن انھیں اس سے استفادہ کرنے کا موقع دیا جائے گا تاکہ

ان کے وکلا کو سابقہ کارروائی کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اگرچہ اس دشواری کے لئے وہ خود ہی ذمہ دار ہیں۔ اعانت کے اس وعدے کے لئے انھوں نے شکریہ ادا کیا اور میں یہ خیال لے کر رخصت ہوا کہ انھوں نے میرے سامنے حاضر ہوکر اپنی صفائی پیش کرنے کا جو ارادہ ظاہر کیا ہے وہ خلوص پر مبنی ہے۔

اس کے بعد یکم اکتوبر کو میں نے پہل گام کی دو عمارتوں کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر بھی بخشی غلام محمد موجود تھے اور انھوں نے نونہ نن والا مکان دکھاتے ہوئے الزام نمبر ۶ کے بعض اجزا کی صفائی بھی پیش کی۔ میں نے کہا کہ روداد دی میں بے ربطی کے ساتھ صفائی پیش کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ یہ جوابات مربوط طریقے پر اس اجلاس میں پیش کئے جائیں جو ان الزامات کے سلسلے میں ہوگا، اور جس میں متعدد متعلقہ دستاویزوں پر بحث بھی ہوگی جو اس سلسلے میں گورنمنٹ نے پیش کی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہی ان کا بھی ارادہ ہے اور وہ ایک پرانا نقشہ بھی پیش کرنا چاہتے ہیں، جس میں اس اراضی کے کئی خسرہ نمبر بھی موجود ہیں، اور اس نقشے سے کئی باتوں کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ میں نے کہا کہ میں اس نقشے کو داخل کئے جانے کا حکم دوں گا۔ اور وہ مناسب وقت پر اپنی صفائی اس نقشے کی مدد سے پیش کر سکیں گے۔

معائنہ ختم ہونے کے بعد بخشی غلام محمد نے جموں میں اپنی حاضری

کا پھر ذکر چھیڑا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اس وکیل کا نام بھی لیا، جس سے انھوں نے بات چیت کی تھی اور اس کے ساتھ خود بھی اجلاس پر حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے بتایا کہ جموں میں دوسری نومبر سے اجلاس شروع ہوگا اور وہ اس طرح انتظام کریں کہ اجلاس جب شروع ہو تو ان کا وکیل وہاں موجود ہو۔ مجھے محسوس ہوا کہ انھیں ڈر ہے کہ اتنے کم وقت میں ان کے وکیل کو حاضر ہونے میں کچھ دشواری ہوگی۔ چناں چہ میں نے کہا کہ ان کا وکیل ۷ ر نومبر کو حاضر ہو، اور وہ دوشنبہ کا دن ہوگا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ وہ اپنے وکیل کو لے کر ۱۵ ر کو حاضر ہوں گے اور اس کے بعد ان کا وکیل پابندی سے حاضر ہوتا رہے گا۔

انھوں نے اس توقف کی وضاحت یہ کی کہ الیکشن کے سلسلے میں انھیں ریاست کا دورہ کرنا ہے۔ میں نے کہا کہ بہر کیف سرکاری وکیل کے بحث ختم کرنے اور میرے فیصلہ کا حکم محفوظ کرنے سے قبل ان کے وکیل کو حاضر ہونا چاہیئے۔ یہ بات بھی میں نے بہت واضح طور پر کہی تھی کہ اس وقت کے بعد ان کی صفائی کی سماعت کے لئے تحقیقات کا کام پھر شروع نہ کیا جا سکے گا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ جتنا کام باقی رہ گیا ہے، اس کے حساب سے سرکاری وکیل ۱۵ ر نومبر سے پہلے اپنی بحث ختم نہ کر سکے گا، اس لئے ۱۵ ر کو بھی وہ حاضر ہوئے تو دیر نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اسٹونو گرافروں کی تیار کی ہوئی نقلوں کے بارے میں اپنا وعدہ دہراتے ہوئے میں نے پھر کہا کہ ان نقلوں کے نیز دوسری دستاویزوں کے معائنہ کا انھیں فوری

انتظام کرنا چاہئے۔ انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ سرکاری وکیل کی بحث کے ختم ہونے اور کارروائی کے اختتام سے قبل ۱۵ر کو اپنے وکیل کے ساتھ وہ ضرور حاضر ہوں گے۔ یہ شبہ کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس وعدے کو ایفا کرنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اس لئے میں بڑے شوق سے ان کی پیش کردہ صفائی سے استفادہ کرنے کا منتظر رہا۔

سری نگر میں آخری اجلاس ۱۶ر اکتوبر کو ہوا۔ ۷ر کو بخشی غلام محمد نے ایک درخواست پیش کی، جس میں ان بحثوں کی نقلیں مانگیں، جو شارٹ ہینڈ میں لکھنے کے بعد ٹائپ کی گئی تھیں۔

۱۲ر اکتوبر کو اس درخواست پر میں نے حکم لکھوایا، جس میں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی تھی کہ اس بات کا چونکہ کوئی امکان نہیں تھا کہ فریقین میں سے کسی کو اس کی نقل کی ضرورت ہوگی، اس لئے صرف میرے ہی استعمال کے لئے اس کی ایک کاپی تیار کی گئی ہے، جس کا حجم ایک ہزار صفحات ہے۔ اب ان کی دوسری نقل تیار کرنا اس مرحلے پر ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن بخشی غلام محمد کو کمیشن کے دفتر ہی میں بیٹھ کر اس کے معائنے کی اجازت ہے۔ جب تک سری نگر میں دفتر ہے، اس وقت تک سری نگر میں، اور دفتر کے جموں منتقل ہونے کے بعد جموں میں ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۱ر اکتوبر تک سری نگر میں کمیشن کا دفتر رہا۔ لیکن اس عرصے میں کسی بھی وکیل کو کاغذات کے معائنہ پر متعین نہ کیا گیا۔ اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ

نقل مانگنے کی درخواست حقیقتاً نیک نیتی پر مبنی نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کے درخواست کے فیصلے میں، جو مراعت دی گئی تھی، اس سے فایدہ نہیں اٹھایا گیا۔

اس کے بعد دفتر جموں منتقل ہوا اور ۴ر نومبر ۱۹۶۶ء سے اجلاس شروع ہوگیا۔ لیکن وہاں بھی کاغذات کے معائنے یا ان بحثوں کے نوٹ لینے کے لئے کسی کو متعین نہ کیا گیا، جو مختلف الزامات پر وہاں شروع ہوئی تھیں۔ اگرچہ بخشی غلام محمد نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ جموں میں تحقیقات کی کارروائیوں میں حصہ لینے میں انھیں کوئی تکلف نہ ہوگا لیکن جموں میں کارروائی کو سننے کے لئے بھی کوئی وکیل حاضر نہ ہوا۔ ہاں مسٹر نندا ضرور موجود رہے۔ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۱۴ر نومبر ۱۹۶۶ء کو مسٹر نندا میری رہائش گاہ پر آئے، اور اطلاع دی کہ بخشی غلام محمد جموں پہنچ گئے ہیں، لیکن کل وہ کمیشن کے سامنے حاضر نہ ہوسکیں گے، کیوں کہ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ مسٹر نندا نے یہ بھی کہا کہ بخشی غلام محمد کی طرف سے کل کی عدم حاضری کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے لئے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بخشی غلام محمد سے میری طرف سے کہیے کہ میں جلد از جلد ان کی صحت یابی کا متمنی ہوں۔ مسٹر نندا نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ دہلی کے وکیل سے بات چیت ہو چکی ہے اور ۲۱ر نومبر کو اس کی آمد طے ہو گئی ہے۔ لیکن نہ تو کوئی ۲۱ر نومبر کو آیا، اور نہ اس کے

بعد ایک ہفتے تک حاضر ہوا۔ بخشی غلام محمد کے متعلق بھی کوئی خبر نہ ملی کہ آخر وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری وکیل کی بحث جاری تھی، اور اگلے پندرہ دن سے زیادہ وہ چلنے والی نہیں تھی۔

۳۰ نومبر ۱۹۶۶ء کو، جو کہ چھٹی کا دن تھا، سپریم کورٹ کے ایک وکیل مسٹر اچر میرے گھر تشریف لائے۔ انھوں نے بتلایا بخشی غلام محمد نے اپنی طرف سے بحث کرنے کے لئے انھیں اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اس وقت تک یہاں ٹھہریں گے جب تک کہ سماعت ختم نہ ہو، خواہ اس میں دو تین مہینے ہی کیوں نہ لگیں۔ وکیل کی آمد اور بخشی غلام محمد کے صفائی پیش کرنے پر میں نے اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ان کے کام میں ہر ممکن آسانی پیدا کرنے کا وعدہ کیا۔ اب تک جو بحث ہو چکی تھی اس کے شارٹ ہینڈ نوٹ کی موجودگی کا بھی ان سے میں نے ذکر کیا، اور یہ بھی بتایا کہ دفتر کے اوقات میں دفتر میں اور اس کے بعد میرے یہاں آکر وہ انھیں دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ مقامی بار کے کچھ وکلا کی خدمات بھی وہ حاصل کر سکتے ہیں، جو دستاویزوں کا مطالعہ کریں تاکہ وہ اپنی بحث شروع کر دیں۔

میں نے ان کو بتایا کہ گورنمنٹ نے تو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الزامات پر بحث کی ہے، لیکن وہ اپنی سہولت کے مطابق جس ترتیب سے چاہیں بحث کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب وہ بحث شروع کریں گے تو میں ان خاص نکات کی طرف انھیں

توجہ دلاؤں گا، جن پر سرکاری وکیل نے خصوصیت سے زور دیا ہے۔ میں نے ان کے سامنے دو راہیں رکھیں۔

(۱) جن الزامات پر بحث کرنے کے لئے وہ بالکل تیار ہوں، ان پر کسی دن بھی بحث شروع کر دیں، اور میں سرکاری وکیل سے خواہش کروں گا کہ وہ اپنی بحث روک دے۔

(۲) یا سرکاری وکیل کی بحث کو ختم ہونے دیں اور اس عرصے میں اپنا مقدمہ تیار کرتے رہیں۔ پھر جس ترتیب سے چاہیں الزامات پر بحث کریں۔

انھوں نے کہا کہ وہ غور کرنے کے بعد فیصلہ کریں گے کہ کون سی راہ انھیں اختیار کرنی چاہیئے۔ میں نے یہ بات بھی بڑی صفائی کے ساتھ ان کے سامنے رکھ دی کہ سرکاری وکیل اپنی بحث پندرہ دن کے اندر ختم کر دے گا، اس لئے انھیں قطعیت کے ساتھ اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ سرکاری وکیل جوں ہی بحث ختم کرے یا زیادہ سے زیادہ جس دن اپنا مقدمہ ختم کرے، وہ بحث شروع کر دیں۔ میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ گورنمنٹ کے مقدمہ ختم کرنے کے بعد التوا کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائے گی، اور اس وقت اگر کوئی موجود نہ ہوا اور فیصلہ کا حکم محفوظ کر دیا گیا، تو اس کے بعد تحقیقات کو پھر سے شروع کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

میرا بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے بعد فاضل وکیل تشریف

لے گئے، اور وعدہ کیا کہ یا تو وہ ۳ر دسمبر کو حاضر ہوں گے، اور اس تاریخ کو اگر نہ آسکے، کیوں کہ ۵/۶ر دسمبر کو سپریم کورٹ میں بھی ایک مقدمہ کے سلسلے میں انھیں، پیش ہونا ہے، تو ۷ر کو تو ضرور حاضر ہو جائیں گے۔ انھوں نے میری یہ تجویز بھی مان لی کہ کل (یعنی یکم دسمبر) سے ایک وکیل کو مقرر کر دیا جائے کہ وہ سابقہ بحثوں کی نقلوں کا مطالعہ کرے، اور ساتھ ہی اس بحث کے نوٹ بھی لیتا رہے جو برابر جاری رہے گی تاکہ بحث کرتے وقت صرف ان ہی نوٹوں پر اکتفا نہ کی جائے جو شارٹ ہینڈ میں لئے گئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کی گئی۔

بہر کیف مجھے توقع تھی کہ مسٹر اچہ ۳ر کو تشریف لائیں گے۔ لیکن تیسری تاریخ سکریٹری کے نام ایک تار آیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵ر ہی کو آسکیں گے، اور ۵ر کو ایک دوسرا تار ملا جس میں صرف یہ لکھا کہ "نہیں آسکتے"۔

اس آخری تار سے یہ بات واضح نہیں ہوتی تھی کہ وہ بالکل نہیں آسکتے یا صرف اسی روز نہیں آسکے ہیں۔ لیکن میں نے یہی معنی لیے کہ آج وہ نہیں آسکے ہیں اور اب ۷ر کو ضرور آئیں گے، جیسا کہ انھوں نے کہا بھی تھا۔ وہ صاحب ۷ر کو بھی تشریف نہ لائے نیز بخشی غلام محمد اور ان کے کسی مقامی وکیل کے بارے میں بھی مجھے کوئی اطلاع نہ ملی، اور مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سرکاری وکیل کے بحث ختم

کرنے کے بعد اپنی صفائی کی بحث کے لئے کسی وکیل کو انھوں نے کہا بھی ہے نہیں۔

مسٹر کھمباٹا (سرکاری وکیل)، جو ۵ر دسمبر سے الزام ۱ پر بحث کر رہے تھے، ۱۲ر دسمبر کو، بقیہ بحث اپنے جونیر وکیل کے سپرد کر کے، یہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس تنزل پر مجھے گمان ہوا کہ بحث ایک ہی ہفتہ میں ختم ہو جائے گی۔ بخشی غلام محمد کے نمائندے مسٹر نندا اگرچہ ہر پیشی پر حاضر رہتے تھے، اور انھیں بھی پتا تھا کہ بحث ایک ہفتہ سے زیادہ نہ چل سکے گی۔ لیکن اس کے باوجود ۱۲ر دسمبر کو بھی کوئی حاضر نہ ہوا۔

۱۲ر دسمبر کے بعد سے پورے ہفتہ بھر کارروائی میری علالت کی وجہ سے ملتوی رہی۔ اس کے بعد ۱۹ر دسمبر کو جب اجلاس شروع ہوا تو مسٹر کھنہ نے حاضر ہو کر الزام ۱ کی بقیہ بحث شروع کی۔ اس کے بعد الزام ۲، ۳، ۴ کے بعض امور کی وضاحت ہی باقی رہ گئی تھی۔ کیوں کہ الزام ۱۳ کو خود حکومت ہی نے چھوڑ دیا تھا۔

۱۹ر دسمبر کو مسٹر بھسین نے حاضر ہو کر کہا کہ بخشی غلام محمد نے بارہ مولا سے انھیں ٹیلیفون پر میرے سامنے حاضر ہونے کی ہدایت کی ہے۔ بخشی غلام محمد کے وکیل کی حاضری پر اپنے اطمینان کا اظہار میں نے ابھی ختم بھی نہیں کیا تھا کہ مسٹر بھسین نے کہنا شروع کیا کہ ان کی جان بڑی مشکل میں پھنسی ہے، کیوں کہ کسی اور موکل کی طرف سے انھیں ایک دوسرے کمیشن کے سامنے پیش ہونا ہے، جس کا اجلاس بھی روزانہ

ہو رہا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ جانتے ہوئے کہ آپ کو ایک دوسرے کمیشن کے سامنے پیش ہونا ہے، بخشی غلام محمد نے شاید اس خیال سے آپ کو کیا ہے کہ اس بہانے ممکن ہے کہ کارروائی ملتوی ہو سکے۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں التواکی کوئی درخواست منظور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

اس کے بعد بخشی غلام محمد کے تمام بیانات اور وہ وعدے، جو وکیل کو مقرر کرنے اور گورنمنٹ کا مقدمہ ختم ہوتے ہی اپنی صفائی کی بحث شروع کرنے کے لئے انھوں نے مجھ سے کئے تھے، میں نے دھرائے پھر مسٹر اچرکی آمد اور ان کی یقین دھانیوں کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ بخشی غلام محمد کا یہ طریقہ نہایت نامناسب ہے کہ انھوں نے وکیل کو پیش ہونے کی اس وقت تو ہدایت نہ دی جب وہ آزاد تھا، اور اب اس کے پاس جب دوسرا کام موجود ہے تو اسے میرے سامنے پیش کیا ہے، اور اس طرح سے وہ التواکی درخواست دینے کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ میں نے کہا کہ دو شرطوں کے ساتھ میں ان کی حاضری کو خوش آمدید کہہ سکتا ہوں۔

(۱) حاضر ہو کر انھیں، سرکاری وکیل کی بحث کے بعد اور تحقیقات کے سلسلے میں میرے فیصلے محفوظ کرنے سے قبل، بحث شروع کرنی ہوگی ساتھ ہی میں نے یہ بھی بتلایا کہ سرکاری وکیل کی بحث دو دن سے زیادہ چل نہیں سکتی۔ اور گمان غالب ہے کہ یہ بدھ کے

دن (۲۱ دسمبر ۱۹۶۰ء) کو ختم ہو جائے گی۔

(۲) اب تک جتنی کارروائی ہو چکی ہے، اس کی نقلوں اور دستاویزوں کا معائنہ کرنے کے لئے التوا کی درخواست کسی قیمت پر بھی قبول نہ کی جائے گی۔ ان دونوں باتوں کی طرف، میرے بار بار کہنے کے باوجود، کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

مسٹر بھسین نے کہا کہ میں نے جو باتیں کہی ہیں وہ اپنے موکل تک پہنچا دیں گے، اور اس کی بھی کوشش کریں گے کہ مدعی علیہ کی صفائی بھی کمیشن کے سامنے پیش ہو سکے۔ اس کے بعد بدھ کے روز ڈیڑھ بجے کے قریب مسٹر بھسین ہی پھر نمودار ہوئے، اور سرکاری وکیل مسٹر کھنہ کی بحث میں مداخلت کی اجازت چاہی۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے موکل کا پیغام آیا ہے کہ وہ کل یعنی جمعرات کو آئیں گے۔ یہ سن کر میں نے وہ سب باتیں دہرائیں جو دوشنبہ کو کہی تھیں۔ میں نے کہا کہ بخشی غلام محمد اگر خلوص کے ساتھ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے، تو وہ اس سے قبل آتے۔ اب جب کہ سرکاری وکیل اپنی بحث ختم کرنے والا ہے، اس وقت حاضر ہو کر صفائی کی تیاری کے لئے التوا کی درخواست دینے کے لئے آنے سے کوئی فایدہ نہیں۔ لیکن با ایں ہمہ اگر سرکاری وکیل کے بحث ختم کرنے اور میرے فیصلہ محفوظ کرنے کا اعلان کرنے سے پہلے حاضر ہو جاتے ہیں، تو میں ان کی کسی بھی درخواست پر، درخواست کی مناسبت سے احکام صادر کر دوں گا۔

میں نے یہ بھی کہا کہ میرا خیال ہے کہ کل بحث یقیناً ختم ہو جائے گی، اگر اس وقت وکیل صفائی موجود نہ ہوا، تو تحقیقات کو ختم کر کے فیصلہ محفوظ ہونے کا میں اعلان کر دوں گا۔ مسٹر بھسین نے وعدہ کیا کہ اپنے موکل تک یہ سب باتیں وہ پہنچا دیں گے۔

جمعرات کے دن (۲۲ دسمبر) کوئی ڈیڑھ بجے دن کو بحث ختم ہو گئی لیکن نہ تو ان کی طرف سے کسی وکیل نے کوئی عرضداشت پیش کی اور نہ ان کے کسی نمائندے نے ان کی آمد کا یا تحقیقات کے سلسلے میں حاضر ہونے کی ان کی خواہش ہی کا ذکر کیا۔

سرکاری وکیل کے بحث ختم ہونے کے بعد میں نے فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنی رپورٹ مرتب کرنا شروع کروں گا۔ جو جلد از جلد گورنمنٹ کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ اسی تاریخ دیر رات کو سکریٹری کو ایک تار ملا جو بخشی غلام محمد اور مسٹر اچر کی طرف سے تھا، اور جس میں ان کے دوسرے دن پہنچنے کی خبر دی گئی تھی۔ چوں کہ اس دن اجلاس نہیں تھا، اس لئے مسٹر اچر میرے گھر ہی پر آ گئے۔ میں نے پوری رام کہانی انھیں سنائی اور تحقیقات کو از سر نو شروع کرنے کی زبانی درخواست کے جواب میں میں نے کہا کہ تحقیقات کو پھر سے شروع کرنے کے لئے اب میرے پاس کوئی سبب یا جواز نہیں ہے۔

اسی دن سہ پہر کو بخشی غلام محمد بھی مسٹر اچر کو ہمراہ لے کر میرے پاس آئے، اور انھوں نے بھی وہی درخواست دہرائی جو صبح کو مسٹر اچر نے پیش

کی تھی۔ ان کو بھی میں نے وہی جواب دیا جو مسٹر اچر کو دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ ایک درخواست بھی لائے ہیں، جس کے ساتھ ایک بیان حلفی بھی منسلک ہے۔

یہ سن کر میں نے کہا کہ اس سلسلے میں اگر وہ میرا مدلل فیصلہ چاہتے ہیں تو درخواست انھیں داخل کر دینی چاہیے جو وہ لائے ہیں۔ تا کہ میں اس پر حکم لکھوا دوں۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ درخواست دینے کی کوئی ضرورت انھیں محسوس نہیں ہوتی، کیوں کہ اس بارے میں وہ میرے خیالات سے واقف ہو چکے ہیں، اس لئے درخواست دینا لاحاصل ہے، اور اس کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔

بخشی غلام محمد کی یہ زیر بحث درخواست دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ انھوں نے اپنا ارادہ کیوں کر بدل دیا، اور اس تبدیلی کے اسباب بھی ان ہی کو بہتر معلوم ہوں گے۔ یہ درخواست جو ۲۰ر دسمبر کو دی گئی ہے، اس پر ۲۳ر دسمبر کی تاریخ درج ہے۔ نہ جانے کیوں ۲۳ر تاریخ کو داخل کرنے کا ارادہ کیوں ملتوی کر دیا گیا تھا۔

یہ رام کہانی، جو کمیشن کی کارروائی کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کی ہے، اس لئے قلم بند کی گئی ہے کہ تحقیقات کو از سر نو شروع کرنے کی اس درخواست کو میں نیک نیتی پر مبنی نہیں سمجھتا۔ درخواست کی تائید میں جو بیان حلفی منسلک کیا گیا ہے، اس سے صرف اسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ مسٹر اچر ۲۲ر کو نہ آ سکے تھے اور وہ ۲۳ر کو حاضر ہو رہے ہیں۔ لیکن قابل غور

حقیقتاً یہ امر نہیں، بلکہ یہ داستان ہے کہ بار بار کی یقین دہانیوں کے باوجود آخری تاریخ تک کوئی وکیل نہیں کیا گیا۔

میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ سرکاری وکیل کی بحث کے جو نوٹ شارٹ ہینڈ میں لیے گئے تھے ان کی نقل حاصل کرنے کی درخواست پر ان ضخیم دستاویزوں کے معائنے کی اجازت میں نے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو دی تھی، لیکن اس کام کے لئے کوئی وکیل حاضر نہ ہوا۔ اس کا مطلب یہی نکالا جا سکتا ہے کہ بخشی غلام محمد کو یا تو وکیل کرنے سے کوئی دل چسپی نہ تھی، یا انھوں نے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ ان کا وکیل ان امور سے واقف ہو جو مختلف الزامات کے سلسلے میں سرکاری وکیل نے پیش کئے ہیں۔

یہ امر بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے کہ بار بار میرے اس تاکید کے باوجود کہ الزامات کے سلسلے میں گورنمنٹ کی طرف سے جو دستاویزیں اور فائلیں داخل کی گئی ہیں ان کا معائنہ کرنا چاہیے، لیکن اس کام کے لئے کسی کو مقرر نہیں کیا گیا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ جموں میں بھی بحث شروع ہونے کے بعد کارروائی کے نوٹ لینے کے لئے کسی وکیل کو متعین نہ کیا گیا، جس سے اس وکیل کو، جسے آئندہ بحث کرنی تھی، یہ معلوم ہو سکتا کہ سرکاری وکیل نے کیا کہا ہے۔

خلوص نیت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے، تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وکیل کو کارروائی کے آخری دن کیوں مقرر کیا گیا، جب کہ وہ بحث اس

وقت تک شروع ہی نہیں کر سکتا تھا، جب تک کہ کارروائی کو ملتوی کرنے کے بعد اس کو دستاویزوں اور سرکاری وکیل کی بحث کی نقلوں کے مطالعہ کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اور پھر مسٹر اچر جنھیں ۲۲ر دسمبر کو حاضر ہونے کے لئے وکیل بنایا گیا تھا، وہ اس مقدمہ سے قطعاً ناواقف تھے، کیوں کہ اس کے ابتدائی مدارج میں ان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ اسی لئے میں نے ان سے کہا تھا کہ ۵ یا ۷ر دسمبر کو حاضر ہو کر وہ اگر متواتر آتے رہیں تو ایک طرف وہ اپنا مقدمہ کچھ تیار کر سکیں گے، اور دوسری طرف الزامات کے باب میں سرکاری وکیل کی بحث کو بھی سن سکیں گے، جو چل رہی تھی، لیکن کارروائی کی آخری تاریخ پر، مقدمے سے بالکل ناآشنا، وہ حاضر ہوتے بھی تو فوری طور پر صفائی کی سماعت شروع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

تحقیقات کو از سرِ نو شروع کرنے کی اس درخواست کو، مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر، میں خلوص نیت پر مبنی نہیں سمجھتا، اور جو واقعات میں نے بیان کئے ہیں، ان کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ بخشی غلام محمد کبھی بھی تحقیقات کے لئے حاضر ہونے کا، یا اپنی صفائی پیش کرنے کا کوئی حقیقی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس درخواست کو قابل لحاظ نہ سمجھتے ہوئے میں مسترد کرتا ہوں۔

مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۶۶ (دستخط) ان، راج گوپالا آینگر
کمیشن آف انکوائری

ضمیمہ

تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ

"فردوس میں غارت گری" طباعت کی منزل سے گزر ہی رہی تھی کہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ بھی شری ان، راج گوپالا آینگر نے پیش کر دی، جو تیرہ سو سے زیادہ ٹائپ شدہ صفحات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے الزام نمبر(۱) کے سلسلے میں جو رپورٹ مرتب کی ہے اس کو "الزامات نمبر۲ تا ۳۸ کا خلاصہ بھی" قرار دیا ہے۔ اسی کے ترجمے کو "فردوس میں غارت گری" کے ضمیمے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، جس سے بڑی حد تک یہ تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

جواب ہے؟

الزام نمبر ایک ہی پر اب غور کرنا باقی رہا ہے، جس کی ظاہری شکل تو ایک ہی الزام کی سی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ الزامات نمبر ۲ تا ۳۸ کے تحقیقاتی نتائج کا خلاصہ بھی اسی میں مضمر ہے۔ ان ۳۷ الزامات میں سے دو ۔ نمبر ۸ و ۲۸ ۔ تو میں نے اس بنا پر خارج از بحث قرار دئے تھے کہ ان کی تائید میں جو ثبوت میرے سامنے پیش کئے گئے ہیں، ان سے بادی النظر میں بدعنوانی کے الزام عاید ہونے کا مقدمہ بنتا نہیں ہے۔ اور الزام نمبر ۱۳ کو تو خود حکومت ہی نے اس مجبوری کے پیش نظر نظرانداز کر دیا کہ اسے ثابت نہ کیا جا سکے گا۔ چناں چہ سابقہ صفحات میں جن بقیہ ۳۴ الزامات کی میں نے تحقیق کی ہے، انھیں بڑی حد تک تاریخی ترتیب سے لیا ہے، اور اس سلسلے میں نوٹی فی کیشن کی وہ ترتیب میں نے ملحوظ نہیں رکھی، جو موقتی اور کسی خاص اصول پر مبنی نہیں ہے۔ وہ الزامات ہیں جن کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ثابت ہیں، ان کے باب میں اس مالی منفعت کا تخمینہ لگانے کی بھی میں نے کوشش کی ہے جو

خود مدعی علیہ نے اپنے منصب کو استعمال کر کے، یا مدعی علیہ کے اہل خاندان نے اس کی سرکاری حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر حاصل کی ہے۔

فرد الزام نمبر ایک درج کرنے کا مناسب محل یہی ہے:

"بخشی غلام محمد اور ان کے اقربا، جن کے نام پہلے شڈول کے حصہ اول میں درج ہیں، اور جو ۱۹۴۷ء تک کم مایہ تھے، ۱۹۶۳ء تک اتنی وسیع املاک اور اتنے مالی وسائل کے مالک بن گئے جن کی مالیت کا تخمینہ ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے، اور اس حصول دولت کے مدارج طے کرنے کی راہیں ہموار کرنے میں بخشی غلام محمد نے اپنے منصب کا ناروا فائدہ اٹھایا، یا بخشی غلام محمد کے خاندان اور ان کے اقربار نے ان کے علم، ان کی مرضی یا ان کی چشم پوشی سے ان کے ریاست جموں و کشمیر کے نائب وزیر اعظم اور بعدہٗ وزیر اعظم ہونے کی حیثیت کو ناجائز طور پر استعمال کیا ہے"

مندرجہ بالا عبارت کا انداز بیان ظاہر کرتا ہے کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد کی دولت کی فراوانی، جو پہلے شڈول کے حصہ اول میں ظاہر کی گئی ہے نیز ان کے خاندان کی جو حالت ۱۹۴۷ء میں تھی اس کے مقابلے میں، ان کے ریاست کے وزیر اعظم کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے وقت ان کے خاندان کے پاس جو جملہ اثاثہ تھا، وہ سب مدعی علیہ کی سرکاری حیثیت کے براہ راست یا بالواسطہ ناجائز استعمال کرنے ہی کا نتیجہ تھا۔

بہرکیف اس خاندان میں دولت کی روز افزوں ترقی جو داستان، مختلف الزامات کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں میں نے بیان کی ہے اور ان کے بارے میں اپنی جو تحقیق میں نے قلم بند کی ہے، اس سے یہ بات بہت کچھ ثابت ہو گی کہ یہ بیانات پورے طور پہ صحیح نہیں ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس خاندان کے بعض افراد کی دولت کے اضافے بلکہ ان کے مجموعی اثاثے کی ترقی کی بعض اہم منزلوں پر جو رفتار رہی ہے، اور جس کی شہادت بھی ملتی ہے، اس کا اختصار کے ساتھ خاکہ پیش کر دوں۔

سوال (۱) کے پہلے حصے کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ جو ثبوت میرے سامنے پیش کئے گئے ہیں، اگرچہ اس کا کوئی جواب دعویٰ داخل نہیں کیا گیا ہے، ان کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ کافی اور اطمینان بخش بھی ہیں۔ مدعی علیہ جب ریاست کے نائب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو ان کے خاندان کی جملہ املاک صرف چند رہائشی مکانوں پر مشتمل تھی، جس کی مجموعی قیمت دس ہزار روپے سے زیادہ نہیں تھی۔ خاندان کے جملہ افراد، نجی کاروبار اور ملازمتوں سے جو وہ حاصل کر سکتے تھے، مجموعی طور پر آٹھ سو روپے ماہوار کے لگ بھگ پیدا کرتے تھے۔

اس وقت سے لے کر اکتوبر ۱۹۶۳ء تک کا زمانہ تین واضح ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور اکتوبر ۱۹۴۷ء یا اس کے قرب و جوار، سے لے کر ۱۹۵۶ء تک ہے۔ اس وقت اس خاندان کے افراد کے پاس پچیس

لاکھ کی رقم تھی۔ الزامات نمبر ۱۸، ۴، ۷ و ۱۷ کا اسی دور سے تعلق ہے۔ ان الزامات کے بارے میں حکومت کی پیش کردہ شہادتوں کی جانچ کرنے کے بعد میرے نزدیک ان میں سے کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ یہی وہ دور ہے جب کہ بخشی خاندان کا کاروباری ادارہ فیروز اینڈ کمپنی وجود میں آیا، جس میں اس خاندان کے ذی اثر گروہ ہی حصہ دار تھے، اور جو فوجی محکمے کو ضروریات کی اشیا فراہم کرنے کی ٹھیکہ داری کرتا تھا۔ بخشی عبدالمجید نے، جس کے ہاتھ میں کاروبار کی عملاً پوری نگرانی تھی، اپنے لیے، اور اس سے کم تر درجے میں خاندان کے دوسرے افراد کے لیے، بے تحاشا دولت پیدا کی۔ ۱۹۴۸ء میں مدعی علیہ کے نائب وزیر اعظم ہونے کے بعد ہی اس خاندان نے فوجی ٹھیکہ داری کے کام میں ہاتھ لگایا۔ اس کا احتمال ہی نہیں بلکہ قوی امکان ہے کہ عبدالمجید نے، جو فیروز کمپنی کے کرتا دھرتا تھے، نیز خاندان کے دیگر افراد نے بھی، جو اس کاروبار میں عبدالمجید کا ہاتھ بٹاتے تھے، مدعی علیہ کی سرکاری حیثیت سے فائدہ اٹھایا ہوگا، جس کے عہدے کی وجاہت نے ایک طرف فوجی حکام کے ساتھ اور دوسری طرف مال فراہم کرنے والوں کے ساتھ معاملت کرنے کے سلسلے میں انہیں ذی اثر اور بارسوخ بنا دیا ہوگا۔ یہ ایسے ماورائے فہم فواید ہیں جو کسی بھی اعلا عہدے پر فائز ہونے والے کے رشتہ داروں کو حاصل ہوتے ہیں، اور جن کے سلسلے میں یہ الزام بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ کاروبار پیدا کرنے یا کاروبار چلانے کا یہ ناجائز طریقہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عبدالمجید

مدعی علیہ سے اپنی رشتہ داری کا فائدہ اٹھاتے رہے ہوں گے، جیسا کہ ان بیانات حلفی سے، جو اس الزام کے سلسلے میں داخل کئے گئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھیکہ داروں کو فراہم کردہ مال کی قیمت ادا نہیں کی گئی۔ اسی امر کا اظہار ان بیانات حلفی سے بھی ہوتا ہے، جو عام اعلان مجریہ زیر دفعہ ۶ (الف و ب) پبلک کے بعض افراد نے داخل کئے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت چوں کہ نہیں ملتا کہ اس ناجائز عمل میں مدعی علیہ کا بھی کچھ ہاتھ تھا، اس لئے میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے، اور یہ فرد کا حصہ بھی نہیں تھے۔ یہاں اس کا ذکر کرنے سے میرا مقصد صرف اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں ۲۱ لاکھ کی جو رقم رضا کارانہ طور پر ظاہر کی گئی تھی، اس کے حصول کی اس سے وضاحت ہو سکے۔

۱۹۵۷ء کے آغاز میں اس خاندان کے افراد کے پاس جو املاک، منقولہ وغیر منقولہ یا نقدی کی شکل میں تھی، اسے مدعی کی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا، یا اس کے اثر و رسوخ کے ناروا استعمال کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ۱۹۵۶ء کو میں نے اس دور کا اختتام قرار دیا ہے کیوں کہ کم و بیش اسی زمانے میں فیروز اینڈ کمپنی نے، جو مدعی علیہ کا خاندانی تجارتی ادارہ تھا، پھیلنا اور وسعت اختیار کرنا شروع کیا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں موٹر گاڑیوں اور اس کی متعلقہ اشیا کی تجارت نیز جنگلات کے ٹھیکوں ہی کے ذکر پر اکتفا کی ہے، کیوں کہ یہی دونوں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ چناں چہ ۱۹۵۶ء کے خاتمے تک۔ اس

خاندان کے افراد نے جو املاک پیدا کی اور جو نقد سرمایہ جمع کیا وہ ان کی اپنی کوششوں کا ثمرہ تھا، اور جو مجموعی طور پر ۱۹۵۷ء کے اوایل میں تقریباً ۲۵ لاکھ رہا ہوگا۔ چناں چہ اس خاندان کے افراد نے مدعی علیہ کی سرکاری حیثیت سے جو مالی فواید حاصل کئے اس کا نقطۂ آغاز یا اس کی مالی اساس اسی ۲۵ لاکھ کی رقم کو سمجھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں مجھے پھر اس امر کا اعادہ کرنا ہے کہ ۲۵ لاکھ کی رقم کا تخمینہ خود اس خاندان کے افراد کے فروری ۱۹۵۶ء کے رضاکارانہ انکشاف پر مبنی ہے۔

اس خاندان کے مالی عروج کا دوسرا دور ۱۹۵۷ء کے لگ بھگ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ مدعی علیہ کا بیٹا بشیر احمد بیرون ہند سے آٹوموبیل (موٹر) انجینیرنگ کی تربیت حاصل کرکے واپس آیا۔ یہ دور اس مرحلے سے شروع ہوکر ۱۹۶۰ء کے اختتام تک جاری رہا، جب کہ خاندان کے بعض ارکان کے درمیان، جو اس وقت فیروز کمپنی کے مشترکہ خاندانی کاروبار میں حصے دار تھے، اختلافات و تنازعات پیدا ہوئے اور انھوں نے طے کیا کہ اس ادارے کو ختم کرکے سب لوگ الگ الگ آزادانہ طور پر اپنا اپنا کاروبار کریں۔ یہی وہ دور ہے جس میں اس بات کے ثبوت ملتے ہیں کہ مدعی علیہ نے اپنے بیٹے بشیر احمد کے موٹر کے کاروبار کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنی سرکاری حیثیت کو خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا۔ الزام نمبر (۱۶) اور نمبر (۲۲) اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں الزامات کے متعلقہ حقایق سے استدلال کرتے

ہوئے سری نگر کی فرڈیل موٹر کمپنی کو ٹلکو (ٹاٹا کمپنی) کی اجنسی ملنے کا میں نے ذکر کیا ہے، جس میں صوبہ کشمیر کے لئے ٹی، ام، بی موٹر گاڑیوں کا وہ آرڈر بھی شامل ہے، جو حکومت نے عام گاڑیاں اور بھاری بوجھ ڈھونے والی ٹرکیں مہیا کرنے کے لئے اس کمپنی کو دیا تھا، اور جس کے سلسلے میں ۳۳ لاکھ روپے کی بھاری رقم پیشگی کے طور پر ادا کی گئی تھی۔ اسی رقم کی بدولت اس کاروبار کا روبار نہایت ہی توانا بنیادوں پر شروع ہوا۔

فرڈیل موٹر کمپنی نے اکتوبر ۱۹۵۷ء کے اواخر سے کاروبار شروع کیا اور ۱۹۶۰ء کے اختتام تک، تین برس اور دو ماہ میں، اس کمپنی نے جو انکم ٹیکس ادا کیا تھا، اسے اور خالص آمدنی کے ان گوشواروں کو جو اس سلسلے میں اس نے پیش کئے تھے، اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو اس مدت میں کمپنی نے پانچ لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو اکاون روپے کا خالص منافع کمایا، اور اسی سے اس کمپنی کی منافع اندوزی کی رفتار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کمپنی نے، جو ابھی تک کاروبار کر رہی ہے، میرے تخمینے کے مطابق اقتدار کے ناروا استعمال سے سترہ لاکھ سے زائد رقم پیدا کی ہوگی۔

مدعی علیہ کے خلاف اقتدار کے ناجائز استعمال کے دو الزام اور بھی ہیں، جن کا تعلق اسی دور سے ہے، اور جو الزام نمبر (۳۰) اور (۳۳) کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ لیکن شہادتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مدعی علیہ کے خلاف ان الزامات کو ثابت کرنے میں حکومت ناکام رہی ہے۔ اگرچہ الزام نمبر (۳۰) کے سلسلے میں

اس کا پتا چلتا ہے کہ مدعی علیہ کے بھائی غلام نبی نے چار لاکھ کا ناروا و غیر واجب فایدہ حاصل کیا ہے، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سلسلے میں مدعی علیہ نے مثبت طور پر اور جان بوجھ کر اپنے اقتدار کو ناجائز طور پر استعمال کیا تھا۔

۱۹۶۰ء کے اختتام پر جو صورت حال تھی اس کا جائزہ لینے کے بعد یہ شکل سامنے آتی ہے کہ ۵۷-۱۹۵۶ء میں ۲۵ لاکھ کی مالیت کی املاک و نقد سرمائے سے کاروبار شروع کرنے کے بعد زیر بحث مدت کے دوران اپنے اقتدار سے مدعی علیہ کے ناجائز استعمال سے جو حقیقی فایدہ اٹھانا ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ سری نگر کی فیرڈیل کمپنی کے لئے ٹلکو (ٹاٹا کمپنی) کی گاڑیوں وغیرہ کی اجنسی حاصل کی گئی اور سرکاری آرڈر کے مطابق موٹر گاڑیاں فراہم کرنے کے لئے پیشگی رقم ادا کی گئی۔ اگر ہمارے سامنے حسابات کے وہ گوشوارے ہوتے، جو خاندانی کاروبار کی تقسیم کے وقت تیار کئے گئے تھے، تو ہمیں اس کا اندازہ ہو سکتا کہ ان تین چار برسوں میں اس خاندان نے کتنی ترقی کی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ اگرچہ مجھے قطعی یقین ہے کہ یہ موجود ضرور ہیں، لیکن انھیں دبادیا گیا ہے۔ یہ عذر کہ وہ آتش زدگی کی نذر ہو گئے تھے، غیر درست سمجھ کر میں مسترد کرتا ہوں۔

۱۹۶۰ء سے لے کر مدعی علیہ کے اپنے عہدے سے سبک دوش ہونے کے وقت تک کا زمانہ تیسرا دور ہے، اور اس مختصر مدت میں الزامات

کی ریل پیل نظر آتی ہے، جن میں سے اکثر کو حکومت نے ثابت بھی کر دیا ہے۔ اقتدار کے ناروا اور ناواجب فایدہ اٹھانے والوں کی بنیادی فہرست میں، میری تحقیق کے مطابق، مدعی علیہ کے بیٹے بشیر احمد، ان کے بھائی عبدالمجید اور ان کے ماموں زاد بھائی عبدالرشید کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر ان کے عزیز ہونے کے علاوہ برسراقتدار پارٹی نیشنل کانفرنس کے سکریٹری بھی تھے۔ یکم جنوری ۱۹۶۱ء کو، خاندانی کاروبار کے بٹوارے کے مطابق جو دسمبر ۱۹۶۰ء میں طے پایا تھا، بشیر احمد سری نگر کی فیر ڈیل کمپنی کے مالک قرار پائے۔ اس کے فوراً ہی بعد مدعی علیہ نے اپنی سرکاری حیثیت کو استعمال کر کے کمپنی ہذا کو امداد دینے کی نیت سے سرکاری خزانے سے روپیہ دلایا۔ الزام نمبر (۲۳) و (۲۴) کا یہی موضوع ہے۔

۱۹۶۲ء کے اواخر میں جب بشیر احمد نے اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے تیل کی ڈھلائی کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا تو تیل ڈھونے کی گاڑیاں فراہم کرکے حکومت پھر ان کے آڑے آئی۔ یہ گاڑیاں اس وقت دست یاب نہیں ہو رہی تھیں، کیوں کہ حکومت ہند نے ایمرجنسی کی وجہ سے ان کی خریداری پر پابندیاں عاید کر دی تھیں۔ اس کے علاوہ گاڑی چلانے کے ضروری پرمٹ بھی ان کو دلائے گئے۔ ان باتوں کی وجہ سے بشیر احمد کو ان لوگوں پر فوقیت حاصل ہوگئی جو تیل کی ڈھلائی کا ٹھیکہ لینے میں ان کے حریف ہو سکتے تھے۔ اٹھارہ ماہ کی مدت میں بشیر احمد

کو انڈین آئیل کمپنی کے اس ٹھیکے سے ڈھائی لاکھ روپے سے زیادہ کا منافع اس وجہ سے ہوا کہ انھیں تیل ڈھونے والی گاڑیاں مل گئی تھیں۔ یہ باتیں الزام نمبر (۲۶) اور (۲۷) کا موضوع ہیں۔

بشیر احمد نے چشمہ شاہی میں ایک مکان بنوایا، جس میں بجلی لے جانے کے لئے، مدعی علیہ کی تحریک پر، سرکاری خزانے سے نو ہزار کی رقم صرف کی گئی۔ یہ قصہ الزام نمبر (۳۲) کا موضوع ہے۔

اس دوران میں مدعی علیہ کے بیٹے بشیر احمد کو تین مراعتیں اور حاصل ہوئیں۔ ان میں سے پہلی مراعت تو الزام نمبر (۱۴) کے چار اجزا میں سے ایک ہے۔ دوسری مراعت الزام نمبر ۱۵ (الف) کی تیسری شق ہے۔ ان دونوں کا تعلق نُونہ ون (پہلگام) کی اس عمارت سے ہے، جو عام طور پر "پرائم منسٹرس ہاؤس" (وزیر اعظم کی رہائش گاہ) کے نام مشہور ہے، اور جو ان کی گرمائی رہائش گاہ کے طور پہ استعمال ہوتی تھی۔ یہ عمارت اس اراضی پر تعمیر کی گئی ہے، جو بشیر احمد اور ان کی بہن کے نام سے خریدی گئی تھی۔ الزام نمبر (۱۴) کی فرد جرم، جسے میں نے ثابت شدہ تسلیم کر لیا ہے، اس کے مطابق سولہ ہزار کی رقم میں سے جو عبدالغنی بٹ ٹھیکے دار کو ملنی تھی، جس نے یہ مکان تعمیر یا دوبارہ تعمیر کرایا تھا، صرف سات ہزار کی رقم ملی، اور بقیہ نو ہزار کی رقم اسے ادا نہیں کی گئی۔ یہ عبدالغنی بٹ سرکاری ٹھیکے دار ہے، جس نے کئی ٹھیکے حاصل کیے تھے۔

تیسری مراعت الزام نمبر (۱۵) کی یہ تیسری شق ہے کہ پہل گام کے ٹورسٹ سنٹر کا فرش بنانے کے لئے جو پندرہ سو ٹائلز فراہم کئے گئے تھے، وہ پہل گام کی اسی عمارت (وزیر اعظم کی سرکاری رہایش گاہ) کے لئے، غلط طریقے پر، دے دئے گئے، جو قطعی طور پر ثابت ہے۔ مدعی علیہ کے انکار کے باوجود واقعاتی شہادت سے مجھے اس کا پتا چلا ہے کہ ان ٹائلوں کے استعمال کا انھیں علم تھا۔ اور اس طرح سے انھوں نے اپنے بیٹے کو، اسی مد میں، ۶۷۶ روپے بارہ پیسے کا خزانہ عامہ سے فایدہ پہنچایا ہے۔ اسی سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ الزام نمبر (۵) بھی ثابت ہے، جس کا محکمہ جنگلات کی اراضی پر قبضہ کرنے اور جعلی سارٹی فیکٹ حاصل کر کے اپنی ذاتی ملک کی حیثیت سے فروخت کرنے سے تعلق ہے۔

نارتھ انڈین ٹائلز کارپوریشن جس نے سرکاری مد سے پندرہ سو ٹائلز وزیر اعظم کے رہایشی مکان واقع پہل گام کے لئے فراہم کئے تھے، اسی فرم نے بشیر احمد کی سری نگر کی فیرڈیل موٹر کمپنی کی عمارت کے لئے بھی چار ہزار چھ سو ٹائلز بلا قیمت مہیا کئے۔ ان ٹائلوں کو مفت فراہم کرنے کے علاوہ انھیں بچھانے کی اجرت بھی فرم ہی نے ادا کی، اور اس سلسلے میں فرم نے بڑی صفائی کے ساتھ یہ عذر پیش کیا ہے کہ یہ "ناجائز مراعت" نہیں بلکہ "جائز مراعت" تھی، اور اس کا مقصد اپنے کاروبار کو فروغ دینا تھا، کیوں کہ ریاستی سرکار کے بہت سے انجینئرنگ کے تعمیراتی ٹھیکے ان کے پاس تھے اور اس سلسلے میں وہ مدعی علیہ کی

خوش نودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ یہ ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ ان ٹائیلوں کے بلاقیمت فراہم کئے جانے کا مدعی علیہ کو علم تھا، اس لئے میں نے اس الزام کو تسلیم نہیں کیا ہے، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ بشیر احمد نے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا ہے۔ میرا اسی طرح کا فیصلہ الزام نمبر (۲۵) کے بارے میں بھی ہے، جس میں بشیر احمد نے اقبالی طور پر ناجائز فایدہ اٹھایا ہے، لیکن خود مدعی علیہ نے اس سلسلے میں اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال نہیں کیا تھا۔

اسی پر اکتفا نہیں ہے۔ بشیر احمد کی بیوی یاسمین بخشی نے ہوٹل کے کاروبار میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا تو مدعی علیہ نے اپنی سرکاری حیثیت کو کام میں لا کر نیڈوز ہوٹل کی اراضی کا بیس سال کے لئے پٹہ کر کے اس ارادے کی تکمیل ممکن بنا دی (بہ حوالہ الزام نمبر ۲۰)۔ نیڈوز اینڈ سنز کے (سابقہ) نفع و نقصان کے حسابات اور گوشوارے، طلب کرنے کے باوجود پیش نہیں کئے گئے۔ اسی طرح (نیڈوز ہوٹل میں یاسمین بخشی کے حصے دار بننے کے بعد کے) جدید حسابات کے گوشوارے بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ بہر کیف، میرے تخمینے کے مطابق اس سلسلے میں اقتدار کے ناجائز استعمال سے یاسمین بخشی کو چھ لاکھ روپے ملے ہوں گے۔

اب آئیے عبدالمجید پر۔ انھوں نے سری نگر کے تین میں سے دو سینما گھر ـــ ریگل اور امریش ۱۹۶۰ء میں خرید لئے۔ یہ نہایت منافع بخش کاروبار ثابت ہوا، کیوں کہ اس میدان میں مشکل ہی سے

کوئی ان کا حریف تھا۔ گورنمنٹ کا دعویٰ یہ تھا کہ اس کاروبار میں کوئی مقابلہ نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کوئی اور شخص سینما گھر کھولنے کے لئے تیار نہیں تھا، بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مدعی علیہ نے اس کی پوری کوشش کی تھی کہ کسی سینما گھر کو لائسنس ہی نہ ملے۔ اس سلسلے میں گورنمنٹ نے رگینا اور جے ہند سینما گھروں کا مخصوص طور سے ذکر کیا ہے، جنھیں لائسنس ملنے کی راہ میں مدعی علیہ کی ذات حایل رہی تھی۔ جہاں تک رگینا سینما کا تعلق ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مدعی علیہ کے خلاف اس الزام کی کوئی قطعی بنیاد نہیں ہے، کیوں کہ وزرا کی کونسل نے اس سینما کو لائسنس دینے سے جب انکار کیا تھا تو اس وقت شیخ محمد عبداللہ ریاست کے وزیر اعظم تھے۔ رہا جے ہند ٹاکیز کا معاملہ تو اس کے بارے میں بھی حکومت یہ ثابت نہیں کرسکی ہے کہ جس مجسٹریٹ کو لائسنس کی منظوری کے لئے درخواست دی گئی تھی، اس کی کارروائی میں مدعی علیہ نے کوئی عملی مداخلت کی تھی، اگرچہ جے ہند تھیٹر کی عمارت کو ٹرانسپورٹ کے محکمے کے لئے، بے ضرورت، خرید کر مدعی علیہ نے مقابلے کے امکانات کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس خریداری کے سلسلے میں سرکاری حیثیت کا ضرور بے جا استعمال کیا گیا تھا، جس کا مقصد عبدالمجید کو فایدہ پہنچانا تھا۔ میرے اس فیصلے کے باوجود اس بات کا تعین کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوسکا ہے کہ اس (جے ہند سینما) کی خریداری سے عبدالمجید کو کتنا مالی فایدہ ہوا۔ اس کاروبار میں مقابلے کے فقدان کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا یقیناً ممکن نہیں ہے

کہ اس میں کتنا مالی فایدہ ہوا ہوگا۔ کیوں کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مقابلہ اور عدم مقابلہ، دونوں حالتوں کی آمدنی کے بہ یک وقت، اعداد و شمار ہمارے پاس ہوں لیکن بہرکیف اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ (عدم مقابلے کی وجہ سے) کوئی فایدہ ہی نہیں ہوا، بس اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

اس کے علاوہ مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ اسی دوران میں عبدالمجید کے نابالغ بیٹے انور آفتاب کو سری نگر میں امرسنگھ کلب کے بالمقابل ایک نمایاں جگہ پہ، بدنام سرمیں، پٹرول پمپ کے لئے ایک اراضی پٹے پر دی گئی۔ یہ الزام نمبر (۱۱) کا موضوع ہے۔ میں اس سلسلے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پٹہ دار، انور آفتاب کو پٹے کے معاوضے کی کم رقم مقرر کیے جانے کی وجہ سے چھ ہزار روپے کا غیر واجب مالی فایدہ ہوا، لیکن یہ الزام قابل اطمینان طریقے پر ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ یہ مالی فایدہ مدعی علیہ کے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا نتیجہ تھا۔

دوسرا قابل غور معاملہ غلام نبی کا ہے جن کا مخصوص میدان جنگلات کے ٹھیکے کا کاروبار ہے۔ جنگلات کے ٹھیکوں سے غلام نبی کو جو مالی فوائد حاصل ہوئے ان کے بارے میں مدعی علیہ پر تین الزام عاید کئے گئے ہیں، جو الزام نمبر ۲۹، نمبر ۳۰، نمبر ۳۱ میں ملتے ہیں۔ الزام نمبر ۳۰ کے سلسلے میں پہلے ہی میں بحث کر چکا ہوں، اور جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ غلام نبی نے چار لاکھ کا ناواجب فایدہ

حاصل کیا ہے، لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کافی شہادتیں نہیں ملتیں کہ مدعی علیہ نے اس سلسلے میں اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال بھی کیا تھا۔

الزام نمبر (۳۱) کے بارے میں بھی میرا کچھ اسی طرح کا فیصلہ ہے۔ جو دلایل میں نے دئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ نمبر ۹ راجوار، نمبر ۵۳ و نمبر ۵۴ جنوبی لولاب کے ٹھیکوں سے، جن کا اس الزام سے براہ راست تعلق ہے، ٹھیکہ دار (غلام نبی) نے سات لاکھ دو ہزار اور چھ لاکھ تینتالیس ہزار کی رقوم کا ناجائز اور غیر واجب مالی فایدہ اس رائلٹی کی معافی کی شکل میں حاصل کیا جو ان کے ذمے واجب الادا تھی۔ یہ معافی درختوں میں غیر معمولی خرابی کی بنا پر دی گئی تھی۔ اپنی تحقیقات کے دوران کئی ایسی دستاویزیں مجھے ملی ہیں جن کی فائلوں میں محکمۂ جنگلات کے نچلے افسروں نے بیانات میں ردوبدل کرنے کے علاوہ اعداد و شمار کو بڑھا چڑھا کر درج کیا ہے تاکہ خراب درختوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو سکے، جو حقیقتاً تھا نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ غلام نبی کو زیادہ سے زیادہ معافی دلانے کی دوڑ میں محکمۂ جنگلات کے تمام چھوٹے افسر ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ اسی سے ان ٹھیکوں میں غیر معمولی منافع مجھے نظر آیا ہے۔ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے چوں کہ معقول مواد موجود نہیں تھا کہ یہ سب کچھ مدعی علیہ کے اشارے یا ہدایت سے ہوا تھا، اور چونکہ اقتدار کے ناجائز استعمال کا صرف شبہ ہی تھا، اس لئے میں نے اس الزام کو

اپنے فیصلے میں مسترد کر دیا ہے۔
مجھے، اسی سلسلے میں، اس بات کا ذکر کرنا بھی نہ بھولنا چاہیے کہ غلام نبی کو جنوبی لولاب کے ان درختوں کی فہرستیں جب دکھائی گئیں جو ۱۹۵۹ء و ۱۹۶۲ء کے دوران کاٹے گئے تھے، اور جو ان ہی کی تیار کی ہوئی تھیں، اور جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ درختوں میں غیر معمولی نہیں، بلکہ معمول سے بھی کم، خرابی تھی، تو انھوں نے حقیقت پسندی اور مزاح کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جس میں کچھ بوکھلاہٹ کا عنصر بھی شامل تھا، کہا کہ محکمہ جنگلات کے افسروں نے خراب درختوں کی شرح متعین کرتے ہوئے میری فہرست کو اگر سامنے نہیں رکھا تو اس میں میرا کیا قصور ہے اس جواب کا ذکر کرتے ہوئے میرے ذہن میں الزام نمبر (۳۱) سے تعلق رکھنے والی دستاویز نمبر (۵۱) اور مسٹر نقاش کے بیان حلفی کے ساتھ منسلک وہ بیان ہے، جس میں اعداد و شمار ٹھیکہ داری کے کاغذات سے مرتب کئے گئے ہیں، اور اس الزام پر غور کرتے ہوئے میں نے اس سے تفصیلی بحث کی ہے۔

بڈ نمبل نمبر (۲۷) کا ٹھیکہ جو الزام نمبر (۲۹) کا موضوع ہے، اس کی نوعیت مختلف ہے۔ فایلوں میں چیف کنزرویٹر فارسٹس کے لکھے ہوئے، کچھ ہاتھ کے اور کچھ ٹائپ شدہ نوٹ ملتے ہیں، جن میں خراب درختوں کی تعداد میں بہ مدارج ۳۰ سے ۵۸ فی صدی کا اضافہ ملتا ہے، اگرچہ یہ چالیس فی صدی کا اضافہ بھی زیادہ ہی ہے۔ معافی کی رقم جو چار لاکھ بائیس ہزار سے

پانچ لاکھ اڑسٹھ ہزار ہو گئی، اس سلسلے میں ہاتھ کے لکھے ہوئے کاغذات میں وقتاً فوقتاً تصحیح کی گئی ہے۔ چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کی حیثیت کے ایک افسر کا ایسا کرنے کا کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آتا، تا آں کہ مدعی علیہ کی طرف سے مداخلت اور اندراجات میں ردو بدل کرنے کی ہدایت نہ کی گئی ہو۔ اگرچہ اس ٹھیکے میں بھی درختوں کی خرابی کی بنا پر پانچ لاکھ کی معافی غیر واجب بلکہ خزانہ عامہ سے بہ طور تحفہ دینے کے مرادف ہے تاہم شہادتوں کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ (پانچ لاکھ میں سے) ڈھائی لاکھ کی رقم کی معافی مدعی علیہ کے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا نتیجہ تھی، کیوں کہ مسٹر فردوس کے رپورٹ مرتب کرنے کے مدارج سے قبل مداخلت کی کافی شہادت نہیں ملتی۔ سیلاب سے نقصان ہونے کی معافی کے باب میں ناجائز فایدہ اٹھائے جانے کا میں نے فیصلہ دیا ہے، اگرچہ اس سلسلے میں اقتدار کے ناروا استعمال ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

اس دور میں اقتدار سے فایدہ اٹھانے والوں میں تیسرا نمبر عبدالرشید کا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ خاندانی تجارتی ادارے، فیروز کمپنی کے خاتمے کے وقت، ۱۹۶۰ء کے اواخر میں، عبدالرشید کو جو حقیر رقم اور برائے نام حصہ ملا تھا، مدعی علیہ نے اس کی تلافی کرنے کی اخلاقی یا کسی اور قسم کی ذمے داری لی تھی۔ یہ حقیقت تھی یا نہیں، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن خاندان کے افراد کی علاحدگی کے بعد جو واقعات پیش

آئے ہیں، ان سے اس قسم کے سمجھوتہ ممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ اس سمجھوتے کے وجود کو تسلیم کرنے ہی پر مبنی ہیں۔

۱۹۶۰ء کے اواخر سے ۱۹۶۱ء کے وسط تک، چھ ماہ سے کم ہی کے عرصے میں تین مراعتیں، یکے بعد دیگرے، حاصل کی گئیں، جو الزام نمبر (۹)، (۱۰) اور (۱۹) کا موضوع ہیں۔ الزام نمبر (۹) اور (۱۰) کا تعلق (عبدالرشید کے) نابالغ بیٹے غلام جیلانی کو ہوٹل روڈ (سری نگر) پر۔ اور بی، سی روڈ (جموں) پر پٹرول پمپ لگانے کے لئے نزول کی زمین دینے سے ہے۔ الزام نمبر (۱۹) عبدالرشید کی بیوی اور ان کے بیٹے غلام جیلانی کو ڈھلائی کا ٹھیکہ دینے سے متعلق ہے۔ ان دونوں پٹوں کی منظوری کے سلسلے میں، جو الزام نمبر (۹) اور (۱۰) کا موضوع ہیں، غلط کاریوں اور بے قاعدگیوں کا ایک ہجوم ملتا ہے، اور ان دونوں پٹوں سے ناجائز فایدے بھی حاصل کئے گئے ہیں، لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان میں سے صرف الزام نمبر (۹) میں، جس کا سری نگر کے ہوٹل روڈ پر پٹرول پمپ لگانے سے تعلق ہے، اقتدار کا ناجائز استعمال تو ثابت ہے، لیکن (جموں کے) پٹرول پمپ کے سلسلے میں ایسا نہیں ہو سکا ہے۔ اگرچہ بی، سی، روڈ (جموں) کے ٹھیکے سے عبدالرشید کے نابالغ بیٹے غلام جیلانی نے، جو اسے صرف چوبیس ہزار ساڑھے سات سو کے برائے نام پریمیم پر دیا گیا تھا، جو ناجائز فایدہ اٹھایا ہے، اس کا بھی

میں نے تخمینہ لگایا ہے۔

بہر کیف، الزام نمبر (۹) سے بحث کرتے ہوئے میں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے اس کی طرف میں توجہ دلاؤں گا، کہ دستاویزوں کی فراہم کردہ واقعاتی شہادت کی بنا پر جو الزام قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے، وہ یہی ہے میرے حساب سے اس پٹے کی بے قاعدہ منظوری سے اڑتیس ہزار نو سو بیالیس روپے کا، دو مدوں سے، فایدہ ہوا ہے۔ اول تو پریمیم لیا نہیں گیا، جو قاعدے کے مطابق لینا چاہیے تھا، اور اگر باضابطہ لیا جاتا تو یہ رقم بتیس ہزار کے قریب ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس اراضی پر جو الکٹرک سب اسٹیشن تھا، اسے پٹرول پمپ لگانے ہی کے لئے منتقل کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں حکومت کے چھ ہزار نو سو بیالیس روپے خرچ ہوئے یہ دوسرا فائدہ تھا جو پٹے دار کو حاصل ہوا۔

الزامات نمبر (۹) اور (۱۰) سے جو فوائد حاصل ہوئے تھے وہ اس فائدے کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں جو عبدالرشید نے ڈھلائی کے ٹھیکے سے حاصل کیے جو الزام نمبر (۱۹) کا موضوع ہے۔ ESSO (تیل کی کمپنی) کے ڈھلائی کے ٹھیکے دار کی حیثیت سے اپنا نام مستعار دے کر (اگرچہ سارا کام عیشی رام بترا سابق ٹھیکے دار ہی کرتے تھے جو عبدالرشید کی کمرشل آئیل کمپنی کے اب ذیلی ٹھیکے دار بننے پر رضامند ہو گئے تھے)، کمرشل آئیل کمپنی نے مندرجہ ذیلی رقوم حاصل

کیس:

سال	رقم
۶۲-۱۹۶۱	۵۵،۳۷۲،۹۰ روپے
۶۳-۱۹۶۲	۶۹،۵۲۶،۸۰ "
۶۴-۱۹۶۳	۷۵،۸۸۰،۹۰ "
۱۳ اپریل تا ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۴	۳۳،۸۸۰،۱۴ "
کل جمع	۲،۳۴،۶۶۰،۷۴ "

یہ رقوم اس کمرشل آئیل کمپنی کو ملیں، جس کے عبدالرشید کے بھائی اور بیوی حصہ دار تھے۔ ڈھلائی کے کام میں قدم رکھتے ہوئے کمرشل آئیل کمپنی کے پاس نہ تو تجربہ تھا اور نہ سرمایہ، نہ ڈھلائی کی گاڑیاں تھیں اور نہ ان کی مرمت کا کوئی انتظام، اور نہ تو ملازم تھے اور نہ کوئی تنظیم، حقیقتاً اس کمپنی کے حصہ داروں کے پاس مدعی علیہ سے رشتہ داری کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ علیشی رام بترا کمپنی جو دس سال پہلے سے ESSO کمپنی کے تیل کی ڈھلائی کا کام کر رہی تھی اور جس کے پاس ڈھلائی کی گاڑیاں اور دوسرا سازوسامان تھا، اسے دھکا دے کر انھوں نے میدان سے ہٹا دیا تھا۔ اب ان کی حیثیت کمرشل آئیل کمپنی کے ذیلی ٹھیکے دار کی تھی۔ صرف اپنا نام مستعار دے کر کمرشل آئیل کمپنی اتنی بڑی رقمیں صرف اس وجہ سے حاصل کر سکی کہ ڈھلائی کی گاڑیوں کے چلانے کا پرمٹ دینا

قطعیت کے ساتھ مدعی علیہ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

اب اس کے بعد میرے سامنے وہ الزام ہے، جس کا تعلق مدعی علیہ کے کنبے کے افراد کو مکانات بنوانے کے لئے اراضیاں الاٹ کرنے سے ہے، اور جس کی تفصیلات پہلے شڈول کے حصے (الف) میں درج ہیں۔

یہ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۳ء کے درمیانی زمانے کے واقعات ہیں۔ کم آمدنی کے، اور کچھ حد تک متوسط آمدنی کے بھی، لوگوں کے مکانات بنانے کے لئے جو اسکیم مرتب کی گئی تھی، اسے توڑ مروڑ کر مال دار لوگوں کو مکانات بنوانے کے لئے اراضیاں دی گئیں، اور ان میں بھی مدعی علیہ کے خاندان کے لوگوں کو خصوصیت سے نوازا گیا۔ یہ کہتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مدعی علیہ نے جو صفائی پیش کی ہے وہ دانستہ غلط بیانی ہے۔ اول تو مدعی علیہ کو ذاتی طور پر اس کا علم تھا کہ ان اراضیوں کی اس طبقے کے لوگوں میں بہت زیادہ مانگ تھی، جن کے مکانات بنوانے کے لئے یہ اسکیم بنائی گئی تھی، کیوں کہ مدعی علیہ ہی نے ہاؤسنگ بورڈ کے ان مختلف جلسوں کی صدارت کی تھی، جن میں اراضیوں کی کمی کے مسایل پر غور کرنے کے بعد فیصلے بھی کیے گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مدعی علیہ نے یہ صفائی پیش کرنا پسند کیا کہ ان اراضیوں کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں تھا، اس لئے انھیں اپنے دوستوں کو اور عزیزوں کو ان اراضیوں کو لینے پر آمادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی، تاکہ دوسرے لوگ ان کی تقلید کریں۔ اس کے علاوہ مدعی علیہ کو اس کا بھی علم تھا کہ گاندھی نگر (جموں) میں ایک بار تیس

اراضیاں نیلام کی گئی تھیں، اور اس نیلام سے کتنی رقم وصول ہوئی تھی، کیوں کہ خود مدعی علیہ نے واضح طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انھوں نے اس پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ اتنی بڑی بڑی نیلامی بولیوں کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بیان مطابقت نہیں رکھتا کہ کم قیمت پر ان اراضیوں کو حاصل کرنے کے درخواست دہندوں کا فقدان تھا۔ اور پھر حکومت کے اس الزام کے جواب میں کہ کئی اراضیوں کے سلسلے میں مدعی علیہ نے ذاتی طور پر مداخلت کر کے ان کے الاٹ کیئے جانے کی ہدایت کی، اور ان کا یہ فعل نامناسب اور بے قاعدہ ہونے کے علاوہ الاٹ منٹ کے مقررہ اصولوں کی خلاف ورزی تھی۔ مدعی علیہ نے اپنے سر سے ذمے داری کو ہٹاتے ہوئے سارا الزام ہاؤسنگ منسٹر پر ڈال دیا، جو ایک ساتھی کے حق میں بڑی نازیبا بات ہے، کیوں کہ فائلوں سے یہ واضح طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ بعض مخصوص ضمن کے الاٹ منٹ کے اختیارات مدعی علیہ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھے تھے اور جن کا استعمال، بہ حیثیت وزیر اعظم کے، وہ خود کرتے تھے۔ اور زیر بحث الاٹ منٹ متعلقہ وزیر نے نہیں بلکہ مدعی علیہ نے خود کیئے تھے۔ اس کے علاوہ متذکرہ صفائی پیش کرتے وقت ان کے سامنے وہ کاغذات بھی تھے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ الاٹ منٹ ان ہی کے حکم سے عمل میں آئے تھے۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مدعی علیہ نے نادانستہ نہیں بلکہ ارادتاً سچ بولنے سے گریز کیا ہے۔

اس الزام پر بحث کرتے وقت، صرف اس خیال سے کہ مدعی علیہ کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، میں نے اس اسکیم کی پوری داستان دہرائی ہے اور اسکیم کے تحت مختلف منزلوں میں جو الاٹ منٹ ہوئے ہیں، ان کے سلسلے میں ہر منزل پر میں نے فایلوں کے اندراجات سے یہ دکھلایا ہے کہ ایک طرف اراضیوں کی کتنی کمی تھی، جسے دور کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ اراضی حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، دوسری طرف درخواست دہندے الاٹ منٹ کے سلسلے میں ایک دوسرے پر تقدیم حاصل کرنے کے لئے کس طرح جد وجہد کر رہے تھے، اور درخواست دہندوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے کیا اصول تھے۔ یہ سب میں نے اس لئے کیا ہے کہ الزام نمبر (۱۲) کا جو موضوع ہے، اس کی نوعیت کا الاٹ منٹ کے طریق کار سے موازنہ ہو سکے۔ مدعی علیہ کے اعزا کو سری نگر اور جموں میں جو اراضیاں الاٹ کی گئی ہیں، ان کا بہترین محل وقوع ہے، لیکن اس سلسلے میں اگر بے قاعدگیاں نہ کی گئی ہوتیں تو اعتراض کا کوئی محل نہ ہوتا۔ مگر اعتراض ان اراضیوں کے رقبے اور بغیر باری کے الاٹ منٹ کئے جانے پر ہے، جس کے لئے درخواستیں بھی نہیں دی گئی تھیں، اور یہ اس حالت میں ہوا تھا جب کہ بہت سی ایسی درخواستیں الاٹ منٹ کے لئے زیر غور تھیں، جو منظور بھی ہو چکی تھیں۔ ان کے علاوہ ایسی درخواستیں بھی تھیں جن کی منظوری زیر غور تھی۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ الاٹ منٹ اقتدار کے ناجائز استعمال ہی کا نتیجہ تھے۔

اس سلسلے میں مدعی علیہ کا جو حصہ رہا ہے اُسے میں نے احتیاط سے جانچا ہے اور صرف اسی حالت میں جب کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مدعی علیہ کے حکم ہی سے الاٹ منٹ ہوا تھا، یا ان ہی کے حکم سے ہو سکتا تھا، میں نے الزام کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ جدولی بیان ہیں، جو الزام نمبر (۱۲) کے ساتھ منسلک ہے، مدعی علیہ کے متعدد اقربا کو الاٹ کیے جانے والے پلاٹوں کے رقبے نیز وہ مالی فواید میں نے درج کیے ہیں جو مدعی علیہ کے اقتدار کا ناجائز فایدہ اٹھا کر انھوں نے حاصل کیے تھے۔ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے بے قاعدہ الاٹ منٹ سے جو مالی فایدہ حاصل کیا ہے، اور جسے پہلے شڈول کے جزو (الف) میں درج کیا گیا ہے، میرے تخمینے کے مطابق مجموعی طور پر یہ رقم ایک لاکھ پینتیس ہزار چار سو ساٹھ روپے ترانوے پیسے بنتی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بتا دینا بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے، جس میں مدعی علیہ کے ان اعزا کے مالی فایدہ حاصل کرنے کا ذکر ہے، جن کے نام پہلے شڈول کے جزو (ب) میں درج ہیں، الزام نمبر (۱۲) پر بحث کرتے ہوئے ان سے اور دوسرے متعلقہ الزامات سے بھی میں نے بحث کی ہے، لیکن، الزام نمبر (۱) (جو حقیقتاً زیر بحث ہے) اس کے حدود میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جن کے نام (پہلے شڈول کے) جزو (الف) میں درج ہیں، اس لیے (مالی فواید کا) تخمینہ لگاتے ہوئے میں نے (پہلے شڈول کے جزو (ب) کے) مندرجہ بالا افراد کو شامل نہیں کیا ہے۔

بہر کیف (ان تمام باتوں کے سلسلے میں) مدعی علیہ نے خود اپنے کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ بہت سی جائدادیں مدعی علیہ نے اپنے بیٹے، یا بیٹے بیٹی دونوں کے نام سے، خریدیں، لیکن خود اپنے نام سے جو چند غیر منقولہ جائدادیں خریدیں، ان ہی میں اشہ برہ کی ایک اراضی بھی ہے، جو اپنے عہدے سے سبک دوش ہونے سے کچھ قبل ۱۹۶۳ء میں انھوں نے خریدی تھی۔ گیت گنگا سب اسٹیشن سے اس عمارت تک بھی سرکاری خرچ (چار ہزار پانچ سو اکسٹھ روپے کے صرف) سے لے جائی گئی، جو الزام نمبر (۳۲) کا موضوع ہے۔ مدعی علیہ نے اس سلسلے میں جو صفائی پیش کی ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں بجلی لے جانے کی ایک اسکیم تھی، جس سے اتفاقی طور پر انھیں بھی جائز فایدہ پہنچ گیا۔ میری تحقیق میں یہ بیان صحیح نہیں ہے، اور سرکاری کاغذات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ ان کی دوسری صفائی یہ ہے کہ اس کنکشن کے لیے حکم دینے سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ سرکاری کاغذات سے اس بیان کی بھی تردید ہوتی ہے، جن میں ان کی ہدایات کا ذکر موجود ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اس الزامات کو میں ثابت شدہ قرار دیتا ہوں۔

اپنے اعزا کو مالی فواید پہنچانے سے کہیں زیادہ سنگین الزام یہ ہے کہ ایک لینڈ روور جیپ کو اپنے تصرف، بلکہ بے جا تصرف میں لاکر، مدعی علیہ نے مالی فایدہ حاصل کیا۔ یہ جیپ ۱۹۵۷ء میں کمیونٹی ڈولپمنٹ کے محکمہ کے لیے سترہ ہزار روپے میں خریدی گئی تھی۔ یہ الزام نمبر (۳۴)

کا موضوع ہے۔ خود مدعی علیہ کو بھی اس سلسلے کے دو حقائق سے انکار نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ گاڑی مارچ اپریل میں ۱۹۵۷ء میں کمیونٹی ڈویلپمنٹ کے محکمے کے لیے خریدی گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ یہی گاڑی جون ۱۹۶۳ء میں ان کی بیوی ہاجرہ بیگم کے نام سے رجسٹر کرائی گئی۔ اس الزام کے سلسلے میں صفائی پیش کرتے ہوئے مدعی علیہ نے خود اپنے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا ہے، کیوں کہ جو سنا سنایا بے سروپا قصہ انھوں نے بیان کیا ہے، وہ نہ تو قابل قبول ہے اور نہ اس میں حقیقت کا کوئی شائبہ ہی ہے۔ اس سارے قصے سے ٹرانسپورٹ ڈپارٹمنٹ سے گاڑی خریدے جانے کے قصے کو اگر یک سر غلط اور اختراعی قرار دے دیا جائے جو محض اس تحقیقات کے سلسلے میں گڑھا گیا ہے، تو اس میں صرف اتنا باقی رہتا ہے کہ ایک سرکاری گاڑی کو صاف اور عریاں طور پر بے جا تصرف میں لایا گیا۔ اگرچہ اور معاملات، مثلاً الزام نمبر (۲۶) یا الزام نمبر (۳۷) میں، کچھ ظاہری پردہ رکھا گیا تھا، لیکن جب ہم اس الزام نمبر (۳۴) پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ظاہری پردے کو بھی اس سلسلے میں بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

میں اس جگہ (اس خلاصے میں) ان الزامات کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا جو ثابت نہیں ہو سکے ہیں اور رد کر دیئے گئے ہیں، میرا یہی رویہ ان الزامات کے بارے میں بھی ہے، جن کی بابت اگرچہ مجھے یہ پتا چلا ہے کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے حکومت کی قیمت پر

مالی فایدہ حاصل کیا ہے، لیکن خود مدعی علیہ کے بارے میں اقتدار کے ناجائز استعمال کے واضح ثبوت نہیں مل سکے ہیں۔ اس رپورٹ کے سابقہ حصے میں ان الزامات کے بارے میں تفصیلی بحث میں کر چکا ہوں اور یہاں پر ان کا خلاصہ بیان کر کے ضخامت میں اضافہ کرنا بے سود ہے۔

جدولی بیان جو آگے آرہا ہے اس سے یہ معلوم ہوگا کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے، جن کی فہرست پہلے شیڈول کے جزو (الف) میں درج ہیں، جو ناجائز منافع یا غیر واجب مالی فایدے حاصل کئے ہیں، اُن کی مجموعی رقم چوّن لاکھ روپے سے زائد ہے۔ اس رقم میں سے حکومت صرف تینتیس لاکھ کی رقم کے بارے میں یہ ثابت کر سکی ہے کہ وہ اقتدار کے ناجائز استعمال کا براہ راست نتیجہ تھی۔ حکومت نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے بائیس لاکھ روپے کے قریب بے جا اور غیر واجب طریقے سے حاصل کیا ہے، لیکن اس سلسلے میں خود مدعی علیہ کا اپنے اقتدار کا بے جا استعمال کرنا ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے ان سے اپنی رشتہ داری کا ناجائز فایدہ حاصل کیا، لیکن حکومت یہ ثابت نہیں کر سکی کہ خود مدعی علیہ کو بھی اس کا علم تھا یا اس میں ان کی چشم پوشی کو بھی دخل تھا۔ یہ کوئی معمولی رقمیں نہیں ہیں، لیکن اگر اس امر کو سامنے رکھا جائے کہ اس خاندان نے مجموعی طور پر ۱۹۵۷ء کے بعد سوا کروڑ روپے کی املاک پیدا کی ہے، تو

اس کے سامنے یہ رقم بے حقیقت معلوم ہوگی۔

مختصراً یہ کہ (۳۴) الزامات میں سے دس (یعنی الزام نمبر ۲، ۴، ۶، ۷، ۱۷، ۱۸، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۸) کلّی طور پر ثابت نہیں ہو سکے ہیں۔ الزام نمبر (۱۴) کے چار میں سے تین الزامات کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے برعکس اقتدار کے ناجائز استعمال کے پندرہ الزامات (الزام نمبر ۵، ۹، ۱۲، ۱۶، ۱۹، ۲۰ تا ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۲۹، ۳۲، ۳۴) قطعی طور پر ثابت ہو گئے ہیں، جن سے میں بالکل مطمئن ہوں۔ اسی طرح سے الزام نمبر (۱۴) کے چار الزاموں میں سے ایک اور الزام نمبر ۱۵ (الف) کے تین میں سے ایک الزام بھی ثابت ہیں۔

مجھے اس کا بھی پتا چلا ہے کہ مدعی علیہ کے خاندان کے افراد نے، سرکاری حکام کی لاپروائی، بے قاعدگی، اور بے جا کارروائیوں سے پانچ الزامات —— نمبر ۱۰، ۱۱، ۲۵، ۳۰، ۳۱ نیز ۱۵ (الف) کے تین میں سے ایک الزام میں غیر واجب مالی فوائد حاصل کئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں ثابت ہو سکا ہے کہ ان کی بابت مدعی علیہ نے ہدایات دی تھیں یا ان سے چشم پوشی کی تھی۔ الزامات کی اس تقسیم میں الزام نمبر (۱۳) نہیں کھپتا ہے، جس میں ناجائز فایدہ اٹھایا گیا لیکن اس میں کسی سرکاری افسر کی چشم پوشی یا مدعی علیہ کا اپنے اقتدار سے فایدہ اٹھانا شامل نہیں ہے الزام نمبر (۳۷) کا اس جگہ ذکر نہیں کیا جا رہا ہے کیوں کہ اس کا تعلق

اس خاندان کے ایک ایسے فرد سے ہے جس کا نام پہلے شڈول کے جزو (ب) میں درج ہے۔

مزید برآں، الزام نمبر (۲۹) کے سلسلے میں، میں اس نتیجے پر بھی پہنچا ہوں کہ غلام نبی نے اس سے کہیں زیادہ مالی فایدہ حاصل کیا ہے، جتنا کہ مدعی علیہ کے اقتدار کے ناجائز استعمال کے نتیجے میں ثابت کیا جا سکا ہے۔

۱۹۵۷ء میں پچیس لاکھ روپے کی مستحکم مالی بنیادوں سے کاروبار شروع کرنے کے بعد جو ترقی اس خاندان کی، اس پر مجھے کوئی حیرانی نہیں ہے۔ پچاس لاکھ کی اس رقم کے ساتھ ساتھ، جو ناجائز اور نامناسب ذرایعے حاصل کی گئی تھی، ان تجربات اور تعلقات کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے جو اس خاندان کے افراد نے ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۶ء حاصل کیے تھے، جن کی وجہ سے کاروباری دنیا میں ان کی ساکھ قائم ہوئی ہوگی مزید برآں کاروباری دنیا میں جو خوفناک مقابلہ ہے، خصوصاً موٹر کے کاروبار اور تیل کی ڈھلائی کے میدانوں میں، اس سلسلے میں مرکزِ اقتدار کے قرب یا اختیار کے سرچشموں سے نزدیکی نے اپنے حریفوں پر سبقت لے جانے کے خاصے ذرائع فراہم کر دیئے ہوں گے، جس کی وجہ سے، اقتدار کے ناجائز استعمال کے بغیر ہی، ترقی کی راہیں ان کے لئے کھل گئی ہوں گی۔ یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے، میرے ذہن میں کمرشل آئیل کمپنی کے ESSO کی مصنوعات کی ایجنسی کا حاصل کرنا ہے۔

جس کے بارے میں مدعی علیہ کے اپنے اقتدار کے ناجائز استعمال کے الزام کو میں نے مسترد کر دیا ہے، جو الزام نمبر (۱۹) کا پہلا جزو ہے۔ کیوں کہ یہ وہ باتیں ہیں، جنھیں ان لوگوں کے لئے قدرتی فواید کا نام دیا جا سکتا ہے، جن کی اعلا عہدوں پر فائز ہونے والوں سے رشتہ داری یا دوستی ہوتی ہے، اور جن کے ازالے کے لئے اخلاق عامہ کے مروجہ سخت گیر معیاروں سے بھی زیادہ کی ضرورت ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس صورت میں مت ذکرہ گروہوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا عنصر بھی شامل ہو۔ بہر کیف یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی سماج میں بھی قابل حصول نہیں ہے۔

شیڈول (۱) حصہ (الف)

مالی فوائد جو بخشی غلام محمد اور ان کے رشتے داروں نے حاصل کئے

شمار	الزام نمبر	فایدہ اٹھانے والا	مدعی علیہ کے اقتدار کے غلط استعمال سے حاصل کردہ مالی فواید	رائے
۱	۲	بشیر احمد	کچھ نہیں	اگرچہ بخشی بشیر احمد اور بخشی عبدالمجید کو خاطر خواہ اراضیاں خریدنے میں اور ملحقہ زمینوں پر ناجائز قبضہ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی لیکن اسے مدعی علیہ کے اقتدار کے غلط استعمال سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔
۲	۳	عبدالمجید اور مقصودہ بیگم	"	
۳	۴		"	کم معاوضہ ادا کرنے اور جبراً خریدنے کا الزام ثابت نہیں ہو سکا۔
۴	۵	بشیر احمد	۹,۵۰۰ روپے	الزام جزوی طور پر ثابت ہوا۔
۵	۶		کچھ نہیں	ارادی طور پر ناجائز قبضہ کرنے کا الزام ثابت نہیں ہوا۔
۶	۷		"	غیر منصفانہ طور پر کم نرخ دے کر خرید کرنے کا الزام ثابت نہیں ہو سکا۔

۷	۹	عبدالرشید (غلام جیلانی)	۳۸،۹۴۲ روپے	پانچ ہزار روپے فی کنال کے حساب سے چھ کنال آٹھ مرلہ زمین کی قیمت ۳۲،۰۰۰ روپے اور الیکٹرک سب سٹیشن کے مسمار کرنے اور دوبارہ تعمیر کرنے کے اخراجات ۶،۹۴۲ روپے ۔ الزام ثابت ہوا۔
۸	۱۰	عبدالرشید (غلام جیلانی)	کچھ نہیں	غلام جیلانی کو ۲۴،۷۵۰ روپے کا فائدہ ہوا، لیکن یہ مدعی علیہ کے اقتدار کے ناجائز استعمال کا نتیجہ نہیں تھا۔
۹	۱۱	عبدالمجید (انور آفتاب)	〃	انور آفتاب کو ۶،۰۰۰ روپے کا فائدہ ہوا، لیکن یہ مدعی علیہ کے اقتدار کے ناجائز استعمال کا نتیجہ نہیں تھا۔

شمار	الزام نمبر	فائدہ اٹھانے والا	مدعی علیہ کے اقتدار کے غلط استعمال سے حاصل کردہ مالی فواید	رائے
۱۰	۱۲	بخشی بشیر احمد	۱۹,۰۰۰ روپے	الزام ثابت ہوا۔
		بخشی عبدالمجید (مع غلام جیلانی و زمرد بیگم)	۵۶,۷۴۳ر۹۳ "	اس الزام میں اُن رشتے داروں کے نام الاٹ منٹ بھی شامل ہیں، جن کا ذکر پہلے شیڈول کے جزو (ب) میں کیا گیا ہے۔
		زمرد بیگم (اور انکا شوہر)	۱۶,۶۰۰ "	
		غلام نبی	۱۹,۰۰۰ "	
		غلام حسین	۱۲,۱۱۷ "	
		عبدالمجید	۱۲,۰۰۰ "	
			میزان ۱,۳۵,۴۶۰ر۹۳ "	
۱۱	۱۴ (الف)	بشیر احمد و شمع میر	۹,۰۰۰ روپے	نونوان ہاؤس پہلگام کے سلسلے میں ٹھیکے دار کو کم رقم ادا کی گئی۔ الزام کا باقی حصہ ثابت نہیں ہوا۔

۱۲	۱۵ (الف)	بشیر احمد	۱،۶۷۶،۱۲ روپے	بشیر احمد کو ۲۶،۳۶۵،۱۰ روپے کا فایدہ ہوا۔ جو کہ نشکو ٹائلوں اور اُن کے بچھانے کی قیمت تھی۔ اس میں سے صرف ۱،۶۷۶،۱۲ روپے کی رقم مدعی علیہ کے اقتدار کے ناجائز استعمال سے منسوب کی جا سکتی ہے۔
۱۳	۱۶	بشیر احمد	۱۷،۱۴،۷۵۱ "	الزام ثابت ہوا۔
۱۴	۱۷		کچھ نہیں	الزام ثابت نہ ہو سکا۔
۱۵	۱۸		"	الزام ثابت نہ ہو سکا۔
۱۶	۱۹ (ب)	راجہ بیگم زوجہ عبدالرشید اور غلام احمد	۲،۳۴،۶۶۰ "	الزام ثابت ہوا۔
۱۷	۲۰	یاسمین بخشی		
۱۸	۲۱	عبدالمجید	۶،۰۰،۰۰۰ "	الزام ثابت ہوا۔ عبدالمجید کو مقابلے کے عدم وجود سے فایدہ ہوا، جسے مدعی علیہ کے اقتدار کے ناجائز استعمال سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

شمار	الزام نمبر	فائدہ اٹھانے والا	مدعی علیہ کے اقتدار کے غلط استعمال سے حاصل کردہ مالی فوائد	رائے
۱۹	۲۲			لیکن اس میں جو ناجائز فائدہ حاصل ہوا، اس کی مالیت کا تخمینہ نہیں لگایا جا سکتا۔
۲۰ ۲۱	۲۳ ۲۴	بشیر احمد	۲۸،۰۰۰ روپے ۷،۳۹۳ " ۳،۰۰۰ "	الزامات ثابت۔ بشیر احمد کو ان تین الزامات کے تحت اٹھائیس ہزار، سات ہزار تین سو ترانوے اور تین ہزار روپے کا فائدہ ہوا لیکن ان پر الگ الگ غور نہیں کیا گیا، کیونکہ انہیں فیئر ڈیل موٹرس کا منافع ہی سمجھنا چاہیے۔ جو الزام نمبر (۱۶) میں شامل ہے۔
۲۲	۲۵	بشیر احمد	کچھ نہیں	بشیر احمد کو ۱۳،۴۰۰ روپے کا غیر واجب و ناجائز فائدہ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی، لیکن اسے مدعی علیہ کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔
۲۳	۲۶	بشیر احمد		الزام ثابت ہوا۔ مدعی علیہ کی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال سے جو مالی فائدہ ہوا، اس کا تخمینہ الزام نمبر (۲۷) میں لگایا جائے گا۔
۲۴	۲۷	بشیر احمد	۲،۶۷،۹۵۱،۷۶ روپے	الزام ثابت ہوا۔
۲۵	۲۹	غلام نبی	۲،۵۰،۰۰۰ "	غلام نبی نے ۵،۹۰،۰۰۰ روپے کا ناجائز مالی فائدہ حاصل کیا (پانچ لاکھ روپے درخو